ماہنامہ جاسوسی دنیا الہ آباد

نیا اور سنسنی خیز شاہکار

شہباز کا بسیرا

مصنّف :- ابن صفی بی۔ اے

قیمت سالانہ
پچیس روپئے

قیمت فی شمارہ
دو روپے

ماہنامہ جاسوسی دنیا الہ آباد

فون نمبر ۵۰۳۲۵

اس ماہنامہ میں شائع ہونے والے تمام واقعات
اور کردار فرضی ہیں۔ اس سے کوئی مطابقت
محض اتفاقیہ ہو سکتی ہے، جس کیلئے مصنف
یا پبلیشر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی!

عباس حسینی ایڈیٹر، پرنٹر، پبلیشر نے نکہت پبلیکیشنز کیلئے نیشنل آرٹ پرنٹرس الہ آباد
میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ جاسوسی دنیا الہ آباد ۳ سے شائع کیا۔

اداریہ

"شہباز کا بسیرا" ابن صفی کا نیا اور انوکھا شاہکار ہے۔
اس ناول میں ابن صفی نے ایک ایسی دلچسپ اور مکمل کہانی پیش کی ہے جو اپنے حیرت انگیز واقعات اور ایڈونچر کی بنا پر بیحد اہمیت رکھتی ہے۔
عمران کا یہ عجیب و غریب کارنامہ ایک نئے کردار ایجنٹ ہفتم الف سے روشناس کراتا ہے جس کی شخصیت کافی پُراسرار نظر آتی ہے۔
یہ کہانی اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ جب اختتام تک پہونچتی ہے تو ایک ایسی دشوار گذار اور خطرناک منزل کی نشاندہی کرتی ہے جو اپنے پراسرار ماحول کی وجہ سے بیحد انوکھی ہے اور آپ اکثر اس منزل سے گذر چکے ہیں۔
ابن صفی نے نہایت ہی خوبصورتی اور چابکدستی سے اس کہانی کو مکمل کرتے ہوئے آنے والی اُس پراسرار منزل کی طرف اشارہ کیا ہے جو جاسوسی دنیا پڑھنے والوں کیلئے یقیناً بیحد دلچسپ اور پرکشش ہے۔
یہ ناول "شہباز کا بسیرا" سراغرسی سے بھرپور ابن صفی کا ایک مکمل شاہکار ہے۔ اس کے دلچسپ اور پراسرار واقعات اپنے دامن میں بے شمار دلچسپیاں لئے ہوئے ہیں۔
جاسوسی دنیا کا آئندہ ناول "ریشوں کی یلغار" ہوگا۔ ابن صفی کا یہ عظیم ناول

"شکرال" کی پراسرار وادیوں کی ایک عجیب و غریب داستان پیش کرتا ہے۔ "شکرال" کی طلسماتی فضا آپ کے ذہن میں آج بھی محفوظ ہو گی۔ عمران کا یہ کارنامہ سراغرسی کی دنیا میں ناقابل فراموش کارنامہ ہو گا۔

نکہت پاکٹ بکس

ہمیں بے حد خوشی ہے کہ اعلان کے مطابق ــــــ نکہت پاکٹ بکس کا پانچواں سٹ منظرِ عام پر آگیا ہے۔

نکہت پاکٹ بکس نے اس تھوڑے سے عرصے میں جتنی ترقی اور عدیم المثال کامیابی حاصل کی ہے اس میں آپ سب کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ جس کیلئے ہمیں یقیناً فخر ہے اور ادارہ آپ کے اس پرخلوص تعاون کا شکر گذار ہے۔

نکہت پاکٹ بکس کا چھٹواں سٹ زیر ترتیب ہے۔ آئندہ شمارہ میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے گا۔

آپ کے مفید مشورے ہمارے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔ آپ بھی اپنی پسند اور مشوروں سے آگاہ کرتے رہیے۔

عباس حسینی

•

اگر اُس نے طیارے سے اتر کر فضائی کمپنی ہی کی گاڑی سے پہونچنے کا ارادہ کیا ہوتا تو شاید اتنی آسانی سے ان لوگوں کے ہتھے نہ چڑھ جاتا۔ ٹیکسی خود ہی اس کی طرف آئی تھی، اور ڈرائیور نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں جائے گا۔ اور وہ اسے پتہ بتا کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے پاس ایک بریف کیس کے علاوہ اور کوئی سامان نہیں تھا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے جناب!" ڈرائیور بولا۔ "بس یہ میرا آخری ٹرپ ہے اور مجھے بھی اُدھر ہی جانا ہے۔"

ٹیکسی حرکت میں آگئی تھی۔ وہ پوری طرح مطمئن تھا کہ اُسے یہاں کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے بہت زیادہ احتیاط کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے وہ احمق بھی نہیں تھا۔ اپنے ساتھیوں میں اول درجے کا ذہین اور پھرتیلا سمجھا جاتا تھا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاں باز و سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے۔

اگر اپنے ملک میں وہ کسی مہم پر نکلا ہوتا تو اتنا بیخبر نہ ہوتا کہ ایک گاڑی نے اس کی ٹیکسی کا تعاقب اُسی وقت شروع کر دیا تھا جب وہ ایئرپورٹ سے شہر کی طرف روانہ ہوئی تھی۔

وہ نشست کی پشتگاہ سے ٹیک لگائے سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ کسی قدر غنودگی بھی طاری ہو چلی تھی

وہ یہاں پہلی بار آیا تھا۔ صرف ایک نام اور پتا تھا اُس کے پاس۔ پتا اُس نے ٹیکسی ڈرائیور کو بتا دیا تھا اور اُسے یقین تھا کہ کسی دشواری کے بغیر منزل مقصود تک جا پہونچے گا۔ اُسے اس کا بھی علم تھا کہ جن لوگوں تک اُسے پہونچنا ہے وہ اس کی آمد کے متوقع ہوں گے۔ لیکن دن اور وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا ورنہ انہی میں سے کوئی ائرپورٹ پر اُس کا منتظر ہوتا۔

بہرحال وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور اتنی اچھی اور بامحاورہ انگلش نہیں بول سکتے جتنی یہ ٹیکسی ڈرائیور بولتا رہا تھا۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ بعد ٹیکسی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر پورچ میں جا رکی تھی۔

"کیوں؟" وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا حیرت سے بولا "یہ۔ وہ... عمارت تو نہیں معلوم ہوتی"۔

"وہی ہے"۔ ٹیکسی ڈرائیور مسکرا کر بولا۔

"تم مجھے غلط جگہ لے آئے ہو۔ وہ کوئی بڑی عمارت ہے۔ کئی منزلہ۔ جسکے ایک فلیٹ میں مجھے جانا ہے"۔

اتنے میں وہ گاڑی بھی پیچھے آ رکی جو ائرپورٹ ہی سے تعاقب میں رہی تھی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ پھر ڈرائیور کی طرف مڑا ہی تھا کہ اُس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر طویل سانس لی۔ آنے والی گاڑی سے دو آدمی اُترے تھے اور اُنھوں نے بھی ریوالور نکال لئے تھے ــــ وہ سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔

"اُترو...!" باہر سے ایک آدمی نے سخت لہجے میں کہا۔

"مم... میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ تم تلاشی لے سکتے ہو"۔ وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

"نیچے اُتر کر بات کرنا"۔ ڈرائیور نے اپنے پستول کو جنبش دے کر کہا۔

"ب... بریف کیس...!"

"بریف کیس اُٹھالو... اور نیچے اُتر جاؤ۔"

"بہت... بہت اچھا... تم دیکھو گے کہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ بریف کیس میں بھی ایک سلیپنگ سوٹ اور سگریٹ کے پیکٹوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"میں نے کہا تھا نیچے اُتر کر بات کرو۔" ڈرائیور نے سرد لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اترنے لگا تھا۔ انداز سے بوکھلاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ دونوں ٹانگیں آپس میں اُلجھ گئیں اور وہ بریف کیس سمیت گھٹنوں کے بل نیچے آپڑا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا بریف کیس پورچ میں لگے ہوئے بلب کی طرف اچھلا تھا اور ہلکے سے دھماکے کے ساتھ وہاں اندھیرا چھا گیا تھا۔

وہ کسی چھپکلی کی طرح دوسری گاڑی کے نیچے رینگ گیا۔

"خبردار... گولی مار دی جائے گی۔" کسی نے چیخ کر کہا تھا۔ لیکن اتنی دیر میں وہ لان پر پہونچ چکا تھا۔

مطلع ابرآلود ہونے کی وجہ سے گہرا اندھیرا تھا۔ ورنہ وہ سیدھا کھڑا ہو کر دوڑ نہ لگا سکتا۔ ویسے اُس نے دو فائروں کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ پھاٹک کی طرف جانے کی بجائے وہ بائیں جانب مڑ گیا۔ اتنا اندازہ تو اُسے ہو ہی گیا تھا کہ وہ اس چہار دیواری کو کسی بھی جگہ سے پھلانگ سکے گا۔

دوبارہ روشنی کا انتظام ہونے سے قبل ہی وہ اس عمارت کی حدود سے نکل جانا چاہتا تھا۔ دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر اُچھلا اور دیوار کا سرا تھامے ہوئے اٹھتا چلا گیا۔

دوسری طرف اُترتے وقت اُس نے خاصی احتیاط سے کام لیا تھا۔ زمین بسطح اور سخت تھی۔ آس پاس اور کسی عمارت کے آثار نہ دکھائی دیئے۔

تو یہ قریب قریب ویرانہ ہی تھا۔ پھر سمت کا تعین کئے بغیر اُس نے ایک طرف

دوڑ لگا دی۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ بہت دور دو متحرک ٹارچیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے رفتار اور تیز کر دی۔ ٹارچوں کے حیطۂ انعکاس سے دور ہی رہ کر محفوظ رہ سکتا تھا۔ انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ بے آواز دوڑتا رہے۔ بدحواسی کے عالم میں بھی اُسے اس کا احساس رہا تھا۔

پھر ٹارچ کی روشنی بہت پیچھے رہ گئی تھی اور اب وہ اتنی تیزی سے دوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اب وہ لمبی لمبی گھاس کے درمیان تھا۔

دوڑ کے اختتام پر اس نے محسوس کیا تھا کہ اب دم لینا ضروری ہے۔ دوڑتے وقت تو ذرہ برابر تھکن نہیں معلوم ہوئی تھی مگر اب وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

نامعلوم حملہ آور اندھیرے میں نہ جانے کہاں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے اور اب تو ٹارچ کی روشنی بھی نظروں سے اُوجھل ہو گئی تھی۔

وہ رُک گیا اور کھڑا آگے پیچھے جھولتا ہوا ہانپتا رہا۔ لیکن سوال تو یہ تھا کہ اب جائے کہاں۔ یہ تو کوئی ویرانہ تھا اور وہ بادلوں سے ڈھکے ہوئے آسمان کے نیچے سمتوں کا تعین بھی نہیں کر سکتا تھا۔

دس منٹ گذر گئے لیکن بدستور سناٹا طاری رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلنے لگا تھا۔ جلد ہی اونچی گھاس کے جھنجھٹوں سے نجات مل گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایسے میں بارش بھی شروع ہو گئی تو کیا ہو گا۔ کچھ دور چل کر ڈھلان شروع ہو گئی تھی اور وہ بہت احتیاط سے قدم اُٹھانے لگا تھا۔

ابھی ڈھلان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بڑی بڑی بوندیں آ گئیں۔ اور اُس نے غیر ارادی طور پر پھر دوڑنا شروع کر دیا۔

اس بار وہ مُنہ کے بل ٹدا آدم جھاڑیوں میں گرا تھا۔ بوکھلا کر اٹھا تو ایسا لگا

جیسے ان جھاڑیوں کی دوسری طرف کوئی عمارت موجود ہو۔

اور وہ سچ مچ ایک چھوٹی سی عمارت ہی تھی۔ وہی نہیں، وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کئی عمارتیں تھیں۔ وہ جھپٹ کر قریبی عمارت کے برآمدے میں جا پہونچا۔ یہاں بھی اندھیرا تھا۔

بارش جس زور شور سے شروع ہوئی تھی اُسی طرح اچانک تھم بھی گئی اور وہ دیوار سے ٹکا کھڑا سوچتا رہا آخر اب کیا کرے۔

پھر اچانک اُسے کتّوں کا شور سنائی دیا تھا۔ آوازیں دور کی تھیں لیکن بتدریج قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے سوچا کیوں نہ اس عمارت کے مکینوں کو جگا کر اُن سے مدد طلب کی جائے۔ ٹیکسی ڈرائیور کی فریب دہی کی کہانی مناسب رہے گی۔ اس کے سفری کاغذات تو اس کی جیب ہی میں تھے۔ اُن لوگوں کو مطمئن کیا جا سکے گا۔

یہی مناسب ہے ورنہ اگر آوارہ کتّوں کے ہتھے چڑھ گیا تو شکل بھی نہ پہچانی جا سکے گی۔

وہ دیوار ٹٹولتا ہوا دروازے تک پہونچا تھا اور پھر دستک دینے ہی والا تھا کہ ہاتھ اس قفل سے ٹکرایا جو دروازے پر لٹک رہا تھا۔

اوہ... تو عمارت مقفل ہے... اس کا یہ مطلب ہوا کہ خالی ہے۔

کتّوں کی آواز کچھ اور قریب ہو گئی تھی۔

ایک نئے خیال نے اس کے ذہن میں سر اٹھایا۔ ہو سکتا ہے، عمارت خالی نہ ہو بلکہ اس کے مکین کہیں اور گئے ہوں اور یہاں ٹیلیفون ڈائرکٹری بھی موجود ہو۔ ڈائرکٹری میں وہ اپنے میزبان کا فون نمبر تلاش کر سکتا جس کا علم اُسے نہیں تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے پرس نکالا اور اس کے ایک خانے میں انگلی ڈال کر کچھ تلاش کرتا رہا۔ پھر وہ باریک سا اوزار قفل کے سوراخ میں رینگ گیا تھا جو اس کے پرس سے برآمد ہوا تھا۔

قفل کھلنے میں دیر نہ لگی۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دائیں بائیں سوئچ بورڈ

تلاش کرنے کیلئے ہاتھ ہلائے تھے۔ بائیں جانب سوئچ بورڈ تھا۔ لیکن وہ فوری طور پر روشنی کردینے کا خطرہ نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ جیب سے ماچس کی ڈبیہ نکال کر ایک تیلی جلائی۔ کھڑکیوں پر پردے موجود تھے لیکن اتنے دبیز بھی نہیں معلوم ہوتے تھے کہ لائٹ جلانے کے بعد باہر سے کھڑکیاں روشن نہ نظر آئیں۔

ماچس کی تیلیوں ہی کی روشنی پر قناعت کرنی پڑی۔ تین کمروں کے اس چھوٹے سے مکان میں اُسے وہ چیز بالآخر مل ہی گئی جس کی اُسے تلاش تھی۔ ٹیلی فون ڈائرکٹری اور فون بھی موجود تھا۔ اُس نے جھک کر اس کے نمبر معلوم کرنے چاہے۔ لیکن ساکٹ میں نمبر کارڈ موجود نہیں تھا کمرہ ایسی جگہ واقع تھا کہ اس کی روشنی باہر نہیں جا سکتی تھی۔ اُس نے بلب روشن کیا اور ڈائرکٹری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ دفعتاً اس کے چہرے پر تازگی نظر آنے لگی۔ شاید وہ نمبر مل گیا تھا جس کی اُسے تلاش تھی۔

●

فون سرہانے ہی رکھا تھا۔ جیسے ہی گھنٹی بجی وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے آنکھ لگی تھی۔ ریسیور اُٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "ہلو ــــ"

"کیا یہ آقائے علی عمران کی اقامتگاہ ہے" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہے تو ــــ!" عمران کی غنودگی رفو چکر ہوگئی۔

"ہفتم الف!" دوسری طرف سے کہا گیا "آپ کون ہیں؟"

"علی عمران ــــ لیکن تم کہاں سے بول رہے ہو"

"میں دشواری میں پڑ گیا ہوں جناب! ٹیکسی ڈرائیور کو آپ کا پتہ بتایا تھا لیکن وہ کہیں اور لے گیا۔ دو آدمی اندر آ گئے ــــ وہ مجھے پکڑنا چاہتے تھے لیکن نہ پکڑ

تک۔ البتہ میرا بریف کیس وہیں رہ گیا۔ وہ عمارت کسی ویران جگہ پر ہے۔ میں بھاگ نکلا۔ اب ایک مکان کا قفل کھول کر اُس میں داخل ہوا ہوں۔ یہاں فون تو موجود ہے لیکن اس پر نمبر کا کارڈ نہیں ہے۔"

"تم نے ایئرپورٹ ہی سے فون کیوں نہیں کیا تھا؟"

"مجھے صرف آپ کا پتا بتایا گیا تھا۔ فون نمبر نہیں دیئے گئے تھے۔ یہ تو میں نے ڈائرکٹری میں تلاش کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس وقت کہاں ہوں۔"

"اسی طرح بولتے رہو۔ میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔ اگر بولنے کے لئے کچھ نہ ہو تو حافظ کی کوئی عمدہ سی غزل شروع کر دو۔"

"میں سمجھ گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" عمران نے کہا اور ریسیور میز پر ڈال دیا۔

پھر وہ اُس کمرے میں آیا جہاں ایکس ٹو والا فون تھا۔ اس پر سائیکو مینشن کے نمبر ڈائل کئے اور جواب ملنے پر بولا۔ "عمران کے ذاتی فون پر کہیں سے کال ہو رہی ہے۔ ایکسچینج سے دوسری طرف کا نمبر اور پتہ معلوم کر کے مجھے مطلع کرو۔" اس نے ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی آواز میں گفتگو کی تھی۔ ریسیور رکھ کر وہ پھر خوابگاہ میں آیا۔ میز سے ریسیور اُٹھایا۔۔۔ دوسری طرف سے حافظ کی غزل بصد خوش الحانی جاری تھی۔ غزل کے اختتام پر عمران نے کہا۔ "تم تو اچھے خاصے گلوکار ہو۔"

"بظاہر ٹی۔ وی کا فنکار بھی ہوں جناب۔"

"اب کوئی فلمی گانا بھی ہو جائے تاکہ معیار کا اندازہ لگا سکوں۔ ہمارے یہاں تو پیار ڈُمبہ ڈُمبہ ہوتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا جناب!"

"ایک فلمی گیت کا ٹکڑا ہے۔"

"مگر ڈمبہ ڈمبہ —" دوسری طرف سے بصد حیرت پوچھا گیا۔

"ہاں ہاں... گھوڑوں گدھوں کا گیت ہے۔"

"میں نے حال ہی میں آپ کے یہاں کی ایک فلم دیکھی تھی — کیا نام تھا —! ہاں یاد آیا... کھوتے دا پُتّر کُکڑ...."

"اچھا... اچھا... ہاں اسے نیشنل ایوارڈ مل چکا ہے۔"

"اب کیا بولوں جناب!"

"شادی شدہ ہو؟"

"جی ہاں۔"

"بیوی کے والدین زندہ ہیں؟"

"جی ہاں —"

"تب پھر تم کیوں زندہ ہو۔"

"نہیں سمجھا جناب —"

"کیا تمھاری بیوی تمھارے اصل بزنس سے واقف ہے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر معلوم ہو جائے تو فوراً طلاق کا مطالبہ شروع کر دے گی۔ بھلا کون عورت پسند کرے گی کہ اُس کا شوہر پیشہ ور قاتل ہو۔ وہ تو مجھے فلمی ہیرو بنانے کے خواب دیکھ رہی ہے۔"

"عمر کیا ہے تمھاری؟"

"ستائیس سال!"

"کتنی بار زخمی ہوئے ہو۔"

"گیارہ مرتبہ۔"

"خیر، جیسے ہی میں کہوں کہ اب سلسلہ منقطع کر دو —" ریسیور رکھ کر باہر برآمدے

میں نکل آنا اور مکان کو دوبارہ مقفل کر سکو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ورنہ اگر ہمارے پہونچنے سے پہلے ہی دھر لیے گئے تو جیل بھجوا دیے جاؤ گے۔ اس کے برعکس اگر برآمدے میں پائے گئے تو بارش سے بچنے کا بہانہ بھی چل جائے گا۔"

"میں یہی کروں گا جناب!"

اتنے میں ایکسٹو کے فون کی گھنٹی بجی تھی اور عمران اُسے ہولڈ آن کئے رکھنے کا مشورہ دے کر دوسرے کمرے میں چلا آیا تھا۔

سائیکومیشن کے آپریٹر نے اسے فون کے نمبر اور مکان کے پتے سے آگاہ کر دیا۔ سلسلہ منقطع کر کے وہ خوابگاہ میں آیا اور ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا ــــ

"اب سلسلہ منقطع کر کے برآمدے میں آجاؤ۔ ہم پہونچ رہے ہیں۔"

"بہت بہتر جناب!"

عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا تھا۔ پھر جولیا کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔ تین بار ڈائیل کرنے کے بعد دوسری طرف سے جولیا کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔

"یس سر!"

"پہلے تم پوری طرح بیدار ہو جاؤ۔" عمران ایکسٹو کی آواز میں بولا۔

"میں بیدار ہوں جناب!"

"صفدر، خاور، چوہان اور صدیقی کو مطلع کر دو کہ اُنھیں پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر کینٹ کراسنگ پر پہونچنا ہے۔ عمران وہاں اُن کا منتظر ہے۔"

"بہت بہتر جناب!"

سلسلہ منقطع کر کے عمران لباس تبدیل کرنے لگا۔ پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ اپنی ٹوسیٹر میں نظر آیا تھا اور ٹوسیٹر کینٹ کراسنگ کی طرف اُڑی جا رہی تھی۔

پھر اُن چاروں سے پہلے ہی وہاں پہونچ گیا تھا۔ ایک ایک کر کے وہ لوگ سات آٹھ منٹ کے اندر اندر کینٹ کراسنگ پر آموجود ہوئے تھے۔

"فرمائیے سرکار! کیا کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے"۔ خاور نے ہنسکر عمران کو مخاطب کیا تھا۔

"تمہارے چچا ہے نے دیکھا ہو گا۔ خواہ مخواہ میری نیند برباد کرادی"۔

"کیا قصّہ ہے؟"

"ملا یار پر فیکٹری تک چلنا ہے"۔

پانچ عدد گاڑیوں کا یہ مختصر جلوس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ تین میل کی مسافت منٹوں میں طے ہوئی تھی۔ عمران سب سے آگے تھا۔ وہ اپنی گاڑی اسٹاف کوارٹرز کی طرف لیتا چلا گیا۔ ٹارچ کی روشنی میں اس نے ایک کوارٹر کا نمبر دیکھا تھا اور پھر گاڑی سے اتر کر پیدل ہی آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ آخری کوارٹر کے سامنے پہونچکر اس نے آہستہ سے آواز دی۔

"ہفتم الف پلیز ——!"

آواز کے ساتھ ہی کوئی برآمدے سے اُتر کر اُس کے قریب آکھڑا ہوا۔ بقیہ لوگ اپنی گاڑیوں سے نہیں اُترے تھے۔

"آؤ ——!" عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

سیٹ پر بیٹھ جانے کے بعد اس نے پوچھا تھا "کیا تم مجھے اُس عمارت تک پہونچا سکو گے؟"

"کیوں نہیں ... لل ... لیکن مو سیو علی عمران کہاں ہیں"۔

"تمہارے برابر ہی بیٹھے ہوئے ہیں"۔

اُس نے بیاختہ قسم کی ہنسی کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کیا تھا۔

"ذرا ایک منٹ —— میں ابھی آیا"۔ وہ گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

اپنے ساتھیوں کے قریب پہونچکر انھیں منتظر رہنے کو کہا تھا۔ اور دوبارہ اپنی

گاڑی کی طرف پلٹ آیا تھا۔

"تم تو سڑک سے گذر کر اس کوارٹر تک نہ پہونچے ہوگے؟"

"نہیں موسیو! میں عمارت کے عقب سے اس طرف آیا تھا۔"

"اچھا تو اب ہم سڑک ہی سے مغرب کی سمت جائیں گے۔"

"اگر یہ مغرب ہے تو یہی سمت ہے۔" وہ ایک جانب ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔" عمران نے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "ادھر صرف ایک ہی بڑی عمارت ہے۔ پھر بھی اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔"

گاڑی سڑک پر آکر مغرب کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔

کچھ دیر بعد نووارد نے کہا۔ "یہی عمارت ہے موسیو۔ شاید پورچ میں دوسرا بلب لگا دیا گیا ہے۔"

گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی تھی ـــــ تھوڑی دور جا کر پھر پلٹائی گئی تھی۔

صفدر وغیرہ وہیں عمران کے منتظر تھے جہاں اس نے انھیں چھوڑا تھا۔

واپسی پر اُس نے نووارد کو صفدر کے حوالے کیا تھا۔

"اسے رانا پیلس میں پہونچا دو۔"

"اور آپ ـــــ؟"

"میں کچھ وقت یہیں گذارنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا تھا اور اپنی ٹوسیٹر میں جا بیٹھا تھا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی پھر اُسی عمارت کی طرف مڑ گئی تھی۔

عمران کسی گہری سوچ میں تھا۔ اسے علم تھا کہ ایک پڑوسی دوست ملک کا سیکرٹ ایجنٹ اس کیلئے کچھ اہم اطلاعات لانے والا ہے لیکن دن اور وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ وہ ایرپورٹ پر اُترا ہے اور ایسے لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے جو اُسے پکڑنا چاہتے تھے ـــ کیوں؟ ـــ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان اس کی آنکھوں کے سامنے چکرانے لگا تھا۔

گاڑی کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی اور عمارت کے قریب پہونچنے سے قبل ہی کچھ اور سست ہو گئی کیونکہ سامنے ہی بیچ سڑک پر سیاہ رنگ کا ایک بریف کیس پڑا دکھائی دے رہا تھا۔

عمران نے گاڑی اس سے اتنے فاصلے پر روکی تھی کہ وہ روشنی ہی میں رہے۔ مشین بند کئے بغیر وہ گاڑی سے اُتر کر بریف کیس کی طرف بڑھا۔ اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر جھکا تھا اور داہنا کان اس کی اوپری سطح پر رکھ کر کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ پھر اُسے بہت احتیاط سے اُٹھا کر گاڑی کی چھت پر رکھ دیا۔ اگنیشن سے کنجی نکال کر ڈکی کھولی اور بریف کیس کو اس میں بند کر دیا۔

دوبارہ انجن اسٹارٹ کرنے سے قبل وہ کچھ سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے گاڑی شہر کی طرف موڑی تھی۔ پوری طرح ہوشیار تھا خصوصیت سے اس پر توجہ تھی کہ اس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا ——

اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد سائیکومینشن پہونچا تھا اور اپنی ٹوسیٹر کی ڈکی سے وہ بریف کیس نکالا تھا جو سڑک پر پڑا ملا تھا۔ ہینڈل پکڑ کر اُٹھانے کی بجائے اس نے اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اسی طرح اٹھائے ہوئے سائیکومینشن کی لیبوریٹری میں داخل ہوا۔

"آیئے۔ آیئے جناب!" لیبوریٹری انچارج مسکرا کر بولا۔ عمران کے مدّاحوں میں سے تھا — اور اتفاق سے اس وقت وہی ڈیوٹی پر تھا۔

"یہ بریف کیس دھماکے کے ساتھ پھٹ بھی سکتا ہے۔" عمران نے اُسے احتیاط سے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹائم بم —؟"

"نہیں — میرا خیال ہے کہ اس قفل کو چھیڑنے سے دھماکہ ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر ڈھکنے کا قبضہ نکالا جائے۔"

"نہیں... یہ بھی نہیں۔ کارروائی کرنے والے دوسری طرح بھی سوچ سکتے ہیں۔"

"پھر کیا خیال ہے؟"

"پچھلا حصّہ کاٹ دو۔"

"بہت بہتر۔"

ذرا ہی سی دیر میں عمران کے مشورے پر عمل ہو گیا۔

"واقعی قبضہ نکالنا بھی خطرناک ثابت ہوتا۔" انچارج نے طویل سانس لی۔ اُس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

قفل کھولنے یا قبضہ نکالنے کی کوشش اُس چھوٹے سے بم کا سیفٹی کیچ ہٹا دیتی جو بریف کیس میں رکھا ہوا تھا۔

"کیا آپ کو یقین تھا بم کی موجودگی کا۔" اُس نے عمران سے سوال کیا۔

"صرف شبہ تھا۔"

"بہرحال! اس کے سلسلے میں لاپرواہی اور ہوشیاری دونوں ہی خطرناک ثابت ہوتیں۔" انچارج بولا۔ "بم بیحد طاقتور معلوم ہوتا ہے۔"

"اسے ضائع کر دو!"

"بہت بہتر!"

یہاں سب اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ انچارج نے عمران سے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کس کا بریف کیس تھا اور عمران کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔

بریف کیس میں اس بم کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ خالی جگہوں کو پُر کرنے کیلئے ردّی کاغذ کی وافر مقدار استعمال کی گئی تھی۔

●

"یہ میرا ہی بریف کیس ہے۔" غیر ملکی مہمان نے کہا۔ "لل... لیکن... اسے کیا ہوا ہے۔"

"مجبوراً ہوا ہے۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اگر قفل میں کنجی لگائی جاتی تو یہ دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتا۔"

"نہیں!" جہان اچھل پڑا۔

"اور اس میں اس بم اور ردی کاغذ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔"

اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کچھ کہنا چاہا تھا۔ لیکن عمران ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس میں تمہاری ضروریات کی اشیاء کے علاوہ اور کچھ بھی نہ رہا ہوگا۔"

"میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"میرے لئے جو کاغذات لائے ہو وہ کہاں ہیں؟"

"میرے کوٹ کے استر میں۔"

"گڈ... تو اب یہ کوٹ اتار دو۔"

"بریف کیس مل جانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اُن میں سے کوئی آپ کے ہاتھ لگ گیا ہے۔" اُس نے کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔

"نہیں — یہ بریف کیس مجھے سڑک پر پڑا ہوا ملا تھا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا۔"

"فی الحال کچھ مطلب نہیں ہوا۔" عمران ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ اُس نے اس سے کوٹ لیا اور دوسرے کمرے میں چلا آیا تھا۔

"اس کا استر اُدھیڑ کر کاغذات نکالو۔" اس نے بلیک زیرو کی طرف کوٹ اچھالتے ہوئے کہا اور خود فون کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی گھنٹی دفعتاً بجنے لگی تھی۔

"ہیلو —!" وہ ایکس ٹو کی آواز میں بولا۔

دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی تھی۔ "اس عمارت کے مکین نے پچھلی رات ایک نامعلوم آدمی کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے جو بارش سے بچنے کے بہانے کوٹھی

کی گیا۔ وُنڈ میں داخل ہوا تھا اور ریوالور دکھا کر مالک مکان کا پرس چھین لے گیا جس میں قریباً ڈیڑھ ہزار کے بڑے نوٹ تھے۔"

"حُلیہ درج کرایا ہے؟" عمران نے سوال کیا۔

"جی ہاں... رنگت سرخ سُفید... بال ستھرے گھونگھریالے۔ اور بائیں نتھنے کے قریب ابھرا ہوا بڑا سا ڈارک براؤن تل... ٹھوڑی میں گڑھا۔ کشادہ پیشانی... ستواں ناک ۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" عمران نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر وہ بلیک زیرو کی طرف مڑ کر بولا۔ "میرا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ اس کے خلاف ڈاکے کی رپورٹ درج کرائی گئی ہے۔"

"لیکن وہاں کون رہتا ہے۔"

"ایک سیاسی لیڈر۔"

"اگر اس سے پہلے ہی خود اسی سے رپورٹ کرا دی جاتی تو؟"

"سیکرٹ ایجنٹ رپورٹ درج نہیں کرایا کرتے۔"

"احمقانہ خیال تھا۔ معافی چاہتا ہوں جناب۔" بلیک زیرو جلدی سے بولا اور پھر استرا اُدھیڑنے لگا۔

"میرے فلیٹ والی عمارت کی نگرانی بھی شروع ہو گئی ہے۔ تین آدمی ہیں۔"

"بہرحال خصوصیت سے آپ پر توجہ نہیں ہے۔"

"اُس نے ٹیکسی ڈرائیور کو صرف عمارت کا نام اور پتہ بتایا تھا۔"

بلیک زیرو کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا۔ "لیکن جیسے ہی وہ فلیٹ کے مکینوں کے بارے میں چھان بین کریں گے۔" جملہ ادھورا چھوڑ کر کچھ سوچنے لگا۔ بلیک زیرو سر اُٹھا کر مسکرایا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور عمران نے بائیں آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"شہر میں اونٹ بدنام"۔
"مگر سوال تو یہ ہے کہ اس کی آمد کے صحیح وقت سے آپ کو مطلع کیوں نہیں کیا گیا؟"
بلیک زیرو بولا۔
"شاید اس کا باس اپنے محکمے کی کالی بھیڑوں کا پتا لگانا چاہتا ہے۔ مجھے اس کی آمد کا صحیح وقت معلوم نہیں تھا لیکن حملہ آور جانتے تھے۔ بہرحال ۔۔۔ اس واقعے کی بنا پر اُسے اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے محکمے کے راز ۔۔۔ راز نہیں رہتے"۔
"پھر بھی میری دانست میں یہ کچا ہی کام تھا۔ اگر وہ لوگ اس پر قابو پا ہی لیتے تو کیا صورت ہوتی۔ کس طرح اندازہ ہوتا ۔۔۔ ؟"
"یہ بات تم میرے ماتحت ہونے کی حیثیت سے کہہ رہے ہو کیونکہ میں اپنے کسی آدمی کو قربانی کا بکرا بنانے کا قائل نہیں۔ ایجنٹ ہفتم الف کی موت سے بھی اُس کا باس وہی اندازہ لگا لیتا جو اس کی رپورٹ فراہم کرتی"۔
بلیک زیرو نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی تھی۔
کوٹ کے استر سے ایک لفافہ برآمد ہوا۔ سپاٹ لفافہ۔ سیل توڑ کر عمران نے کاغذات نکالے تھے۔ اور اُن کی تہہ کھولتے ہی بیساختہ مسکرا پڑا تھا۔
بلیک زیرو کی توجہ اُسی کی طرف تھی۔
"چار عدد قطعی سادہ ورق ۔۔۔ یہ دیکھو" اس نے کاغذات بلیک زیرو کی طرف بڑھا دیئے۔ اس نے انھیں اُلٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔ اور پھر عمران کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
"صد فیصد قربانی کا بکرا" عمران سر ہلا کر بولا۔
"ہو سکتا ہے ... یہ اوراق حقیقتاً سادہ نہ ہوں" بلیک زیرو بولا۔
"میجک اِنک ؟"
"جی ہاں ... ممکن ہے"

"یہ بھی کر کے دیکھ لو۔ جتنے نسخے ہیں تمہارے پاس آزما لو۔ اگر حروف اُبھر آئیں تب مجھے گولی مار دینا۔"

"تجربہ تو کرنا ہی چاہیے۔"

"ضرور... ضرور... جاؤ!"

بلیک زیرو کمرے سے چلا گیا۔ عمران کھڑا کچھ سوچتا رہا تھا پھر فون پر اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔

"ہیلو۔!" دوسری طرف سے جوزف کی آواز آئی جسے فلیٹ ہی تک محدود رہنے کو کہہ آیا تھا۔

"کیا خبر ہے؟"

"اوہ باس۔۔! ہر تین چار منٹ بعد کوئی تمہیں فون پر مسلسل کال کئے جا رہا ہے۔ لیکن کوئی پیغام دینے پر تیار نہیں ہے۔ کہتا ہے کہ تم ہی سے بات کرے گا۔"

"اُس سے کہو۔۔ تین چار تین پر رنگ کرے۔"

"بہت اچھا باس۔۔ کچھ دیر پہلے ایک عورت آئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہرگز نہیں تھی جو خود کو ظاہر کر رہی تھی۔"

"تفصیل۔۔!"

"کسی نئی جراثیم کُش دواساز کمپنی کی نمائندہ تھی۔ فلیٹوں کا سروے کرتی پھر رہی تھی۔ دوا کی شہرت کیلئے بعض علاقوں کی عمارتوں میں مفت دوا چھڑکی جائے گی۔ میرا خیال ہے باس کہ وہ اس بہانے فلیٹوں میں کسی کو تلاش کر رہی ہے۔ میں نے سلیمان کو اس کی نگرانی پر لگا دیا ہے۔ اگر وہ چار فلیٹوں کے بعد کھسک گئی تو میں سمجھوں گا کہ اصل ٹارگٹ ہمارا ہی فلیٹ تھا۔"

"تجھ پر میری محنت ضائع نہیں ہوئی۔۔ بس یہ دیکھنا انہیں سلیمان کا بچہ اُسے

دوپہر کا کھانا نہ کھلا دے ۔۔۔ اور وہ نمبر یاد ہے جو ابھی بتایا تھا۔"

"ہاں باس ۔۔۔ تین چار تین ۔۔۔"

"ٹھیک ہے" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

دس منٹ بعد بلیک زیرو کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اور اُسی وقت فون کی گھنٹی بھی بجی تھی۔

عمران نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔ اُس کی نظر بلیک زیرو پر تھی، جس کے ہاتھ میں سادہ کاغذ کے وہ چاروں شیٹ تھے جنہیں کچھ دیر پہلے وہ تجربے کیلئے لے گیا تھا۔

"ہیلو ۔۔۔ عمران اسپیکنگ" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"چہارم الف!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ ۔۔۔ اچھا کیا خبر ہے"

"ہفتم الف آپ تک پہونچا یا نہیں"

"مجھے اُس تک پہونچنا پڑا تھا ۔۔۔ بخیریت ہے"

"پچھلی رات ہم نے اُس کا سراغ کھو دیا تھا" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہ محفوظ ہے"

"تو پھر کاغذات آپ کو مل گئے ہوں گے"

"اور میں اصل کاغذات کا منتظر ہوں" عمران نے کہا۔

"وہ آپ تک پہونچ جائیں گے"

"فلیٹ میں نہیں ۔۔۔ میں فلیٹ میں نہیں مل سکوں گا"

"تو پھر؟"

"نو بجے شب ... ٹپ ٹاپ نائٹ کلب ۔۔۔ تم اپنے کوٹ کے کالر میں گلِ داؤدی کے تین پھول لگاؤ گے اور میرے آدمی کے شناختی الفاظ "مرحبا یا اخی" ہوں گے"

"بہت بہتر۔ ہفتم الف کو اپنے پاس روکے رکھئے۔ کاغذات ملنے کے بعد وہ آپ کے لئے کار آمد ثابت ہوگا۔"

"بہت اچھا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنکر اُس نے ریسیور رکھدیا تھا۔

"کیا رہی۔۔؟" اُس نے بلیک زیرو سے پوچھا۔

"آپ کا خیال درست تھا۔" اُس نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"اصل کاغذات آج رات کو نو بجے ٹپ ٹاپ میں ملیں گے اور تم ہی جاکر لاؤ گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں غلط سمجھا تھا۔ وہ قربانی کا بکرا نہیں تھا۔ جنرل اسفندیار کے کسی آدمی نے اُس پر یہاں نظر رکھی تھی۔ اگر وہ پکڑا گیا ہوتا تو وہ اس کے لئے کچھ کرتا۔ لیکن اس کے بچ نکلنے کے بعد سے اُس دوسرے آدمی نے اس کا سُراغ کھو دیا تھا۔"

"تو کیا یہ کال اُسی دوسرے آدمی کی تھی۔"

"ہاں۔ اسی نے مجھے پہلے بھی اطلاع دی تھی کہ جنرل کا کوئی آدمی کچھ اہم کاغذات کے ساتھ مجھ تک پہونچنے والا ہے۔"

"اُن لوگوں کیلئے کیا اسکیم ہے جنھوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"فی الحال اُن ہی کو میرے خلاف کوئی اسکیم تیار کرنے دو۔ میرے فلیٹ کی تلاشی تک لی جا چکی ہے۔" عمران نے کہا اور جوزف سے ہونے والی گفتگو سے متعلق بتلانے لگا۔

●

گیارہ بجے شب کو کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ سلیمان نے دروازہ

کھولا تھا اور وہ دونوں اُسے دھکا دیتے ہوئے اندر گھس آئے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

سلیمان نے حیرت سے پلکیں جھپکائی تھیں۔

"عمران کہاں ہے؟" ریوالور والے نے کڑک کر پوچھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تم اس طرح کیوں گھس آئے۔" سلیمان دہاڑ اٹھا۔

"خاموش رہو۔ یہ کھلونا نہیں ہے۔" ریوالور والے نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "میرے سوال کا جواب دو ورنہ پیشانی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

"میں نہیں جانتا وہ کہاں ہیں۔ بتا کر نہیں جاتے۔" سلیمان نے کہا۔ اُس نے کنکھیوں سے جوزف کو دیکھا تھا پوری طرح اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکلا تھا اور بے آواز چلتا ہوا ان دونوں کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ ہم یہیں ٹھہریں گے۔" ریوالور والے نے کہا۔

"اور میں تمھیں کافی بنا بنا کر پلاؤں گا۔" سلیمان ہنس کر بولا۔

"بکواس مت کرو۔"

ٹھیک اُسی وقت جوزف کا ایک ہاتھ اُس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑا تھا اور دوسرے بازو اور کلائی کے درمیان آگئی تھی۔ بائیں ٹانگ برابر کھڑے ہوئے دوسرے آدمی کے پہلو پر پڑی تھی۔ وہ اُچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ جسے دوسرے ہی لمحے میں سلیمان دبوچ بیٹھا تھا۔

اُدھر ریوالور والے کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ بازو اور کلائی کے درمیان کھنچی ہوئی گردن حلق سے خرخراہٹیں بلند کرنے لگی تھی اور ریوالور تو کبھی کا ہاتھ سے نکل کر دروازے کے قریب جا پڑا تھا۔

سلیمان نے اپنے شکار کے بال پکڑے تھے اور دھڑا دھڑ اس کا سر فرش سے ٹکرانے لگا تھا۔

اِدھر جوزف کی گرفت میں آئے ہوئے آدمی نے بچ نکلنے کیلئے جدوجہد تیز کر دی تھی۔ لیکن کسی طرح بھی اپنی گردن چھڑا لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ بالآخر کچھ دیر بعد دونوں ہی فرش پر بیہوش پڑے تھے اور جوزف سلیمان کو گھورے جا رہا تھا۔

"ابے تو کیا اب مجھے کھا جائے گا" سلیمان آنکھیں نکال کر بولا۔

"یہ لوگ اندر کیسے آیا؟"

"دروازہ کھٹکایا تھا میں نے کھول دیا" سلیمان نے کہا۔

"بس کھول ڈیا" وہ ہاتھ نچا کر بولا۔ پھر اس نے سلیمان ہی کی سکھائی ہوئی ایک گندی سی گالی اُسے دی تھی اور آگے بڑھ کر دروازہ بولٹ کر دیا تھا۔ پھر رومال سے پکڑ کر ریوالور اُٹھایا تھا اور رومال ہی میں لپیٹ کر اُسے احتیاط سے الماری میں رکھ دیا تھا۔

"ابے یہ تو نے مجھے کیوں گالی دی"

"اور کس کو ڈیتا... سالا ایسے کھولتا ڈروازہ— پہلے پوچھو کون ہے۔ پھر کھولو ڈروازہ—!"

"میں پولیس کو فون کرنے جا رہا ہوں"

"نہیں— ہم پہلے باس کو فون کرے گا۔ تم ان کا ہاٹ پیر باندھو—"

جوزف کو علم تھا کہ عمران رانا پیلس ہی میں مل سکے گا۔ لہٰذا اُس نے وہاں کے نمبر ڈائیل کئے اور تھوڑی دیر بعد عمران کی آواز سنی۔

جلدی جلدی اس نے اُسے اس واقعے سے آگاہ کرنے کے بعد پوچھا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے۔

"سلیمان کو ریسیور دو" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ایک منٹ باس۔ وہ دوسرے آدمی کے ہاتھ باندھ رہا ہے"

"تم نے ریوالور کو تو ہاتھ نہیں لگایا"

"نہیں باس! اس کیلئے میں نے رومال استعمال کیا تھا اور رومال ہی میں پلیٹ کر احتیاط سے رکھ دیا ہے۔ انگلیوں کے نشانات ضائع نہیں ہوں گے"

"شاباش! بہت اچھا جارہا ہے"

"یہ سلیمان ہے... بات کرو باس" جوزف نے کہا اور ریسیور سلیمان کی طرف بڑھا دیا۔

"میں کیا کروں" سلیمان جھنجلا کر بولا۔

"بات کرو سالا"

"جی... سلامیلکم!" سلیمان نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"وعلیکم السلام... فرمائیے... مزاج بخیر ہیں" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آٹا ختم ہو گیا ہے"

"آٹے کے بچے... تم نے کیا سمجھ کر دروازہ کھول دیا تھا"

"سلیم صاحب کے باورچی کی بھتیجی سمجھ کر"

"کیا مطلب؟"

"زعفرانی قورمے کی ترکیب بتانے آجایا کرتی ہے کبھی کبھی"

"بارہ بجے رات کو؟"

"بارہ بجے رات ہی کو پکتا ہے زعفرانی قورمہ۔ اس سے پہلے رنگت نہیں آتی"

"ابے کیوں ذلت کرائے گا یڈمس ہیں"

"پہلے ہی کون سے بڑے عزت دار ہیں۔ کچے لفنگے آئے دن دھادا بولتے رہتے ہیں اور جویہ دو عدد اس وقت لٹا رکھے ہیں یہ مولوی صاحبان تو نہیں ہیں"

"بکواس بند... تو افلاطون کا کھانا نہیں پکاتا۔ زعفرانی قورمے کی ترکیب کیلئے

اُسے کہیں اور لے جایا کرو۔"

جوزف نے بڑے غصیلے انداز میں سلیمان کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔" یہ جھوٹ بولتا باس... اِدھر کوئی بھتیجی نہیں آتا۔ میں کھُد اس کا گردن توڑ دے اگر آئے۔"

"اچھا... اچھا... اب تم کیپٹن فیاض کو فون کر کے اس واردات کے متعلق بتا دو۔ اُس سے کہہ دینا کہ باس کے خیال کے مطابق شاید کسی خاص سلسلے کے لوگ ثابت ہوں۔"

"بہت اچھا باس!"

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سنکر اُس نے بھی ریسیور رکھدیا تھا۔

"اب تو بھتیجیوں کی فوج آئے گی یہاں، دیکھتا ہوں تو کیا کر لیتا ہے۔" سلیمان اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"بک بک مت کرو۔" جوزف نے کہا اور کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ فیاض شاید گھر پر موجود نہیں تھا۔ جوزف نے کال ریسیو کرنے والے کو عمران کے نمبر لکھوائے تھے اور کہا تھا کہ وہ جس وقت بھی آئیں ضرور رنگ کر لیں۔

سلیمان اس دوران میں اُسے بُرا بھلا کہتا رہا تھا۔

"اٹھاؤ... اِن کو... اُدھر لے چلو۔" جوزف بیہوش آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تم خود اٹھاؤ... میں تو نہیں اٹھاتا۔"

"تم سالا نہیں سمجھتا... اِدھر اور آدمی بھی ہوگا۔ وہ آسکتا۔ پوچھ سکتا۔"

"میں جا رہا ہوں سونے۔ تم سالے ٹھہرے تیس مار خاں۔ خود ہی سمجھتے پوچھتے رہنا۔"

سلیمان سچ مچ چلا گیا تھا۔ جوزف نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر بیہوش آدمیوں کو وہاں سے کہیں اور منتقل کرنے کی بجائے خود وہیں بیٹھ گیا تھا۔

قریباً دس منٹ بعد سلیمان پھر واپس آیا۔ اُس کے ہاتھ میں کافی کی پیالی تھی۔

"یہ پی لو... تم آیا تھا ری حالت پر۔" وہ اسکی طرف پیالی بڑھاتا ہوا بولا۔

جوزف کے دانت نکل پڑے تھے اور وہ پیالی لیتا ہوا اُسے آنکھ مار کر بولا تھا "تم لڑکی ہوتا تو ہم شادی بناتا۔"

"میں لڑکی ہوتا تو تم جیسے صورت حراموں سے مجھے کیا لینا ہوتا۔ اور نہ یہاں جھک مار رہا ہوتا۔"

"سالا تم پیارا بھی لگتا۔"

"چل بے... مکھن نہ لگا... جلدی سے پی لے... نہیں تو انھیں بھی پلانی پڑے گی۔ اگر سالے ہوش میں آگئے۔ پتا نہیں کون ہیں اور کیا چاہتے تھے۔"

جوزف کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے کافی کی پیالی میز پر رکھ کر ریسیور اٹھایا تھا۔ دوسری طرف سے عمران کی آواز سنائی دی۔

"کیپٹن گھر پر موجود نہیں ہے باس۔" جوزف نے کہا۔

"اچھا تو میرے حوالے سے حلقے کے تھانے میں فون کرو۔ جو آفیسر ڈیوٹی پر ہو اُسے پورا واقعہ بتا کر کہو کہ حملہ آوروں کو لے جائے۔"

"او۔کے باس... میں بھی نہیں چاہتا کہ دیر تک یہ یہاں پڑے رہیں — ہو سکتا ہے کہ ان کے کچھ اور ساتھی بھی انھیں تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ اب کوئی بھی فلیٹ میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کافی پی چکنے کے بعد جوزف نے عمران کے مشورے پر عمل کیا تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر فورس آئی تھی اور بیہوش حملہ آوروں کو ریوالور سمیت لے گئی تھی۔

●

عمران بڑے انہاک سے کاغذات کا جائزہ لے رہا تھا۔ بالآخر اُس نے ایک

طویل سانس لی اور سر اُٹھا کر بولا "سب کچھ چوپٹ ہو گیا۔"

بلیک زیرو میز کی دوسری جانب خاموش بیٹھا تھا۔ کچھ دیر قبل طے شدہ پروگرام کے مطابق اُسی نے ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں ایک ایسے شخص سے یہ کاغذات وصول کئے تھے جس کے کوٹ کے کالر میں گل داؤدی کے تین پھول کچھ اس انداز میں لگے ہوئے تھے جنھیں پہلی ہی نظر میں شمار کیا جا سکتا۔

"کیا چوپٹ ہو گیا جناب!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے کاغذات کی نوعیت کا علم نہیں تھا ورنہ ان دونوں کو ہرگز تھانے نہ بھجواتا، جنھیں جوزف نے پکڑا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اب وہ شخص پوری طرح چوکنا ہو جائے گا جس کے وہ بھیجے ہوئے تھے۔"

"آخر یہ کیسے کاغذات ہیں۔"

"اس میں ایک ایسے مقامی لیڈر کی نشاندہی کی گئی ہے جو عرصہ سے مفقود الخبر تھا۔ حد ہو گئی حماقت کی۔ مجھے جنرل اسفندیار نے بیخبر رکھا لیکن خود اُس کے محکمے کی کسی کانی بھیڑ کو کاغذات کی نوعیت تک کا علم تھا۔ تبھی تو ایجنٹ ہفتم الف کے اغواء کی کوشش کرائی گئی تھی۔ بہرحال اب صورت حال یہی ہو سکتی ہے کہ ــــ!"

عمران جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ کچھ سوچنے لگا تھا۔ بلیک زیرو بات پوری ہونے کا منتظر رہا۔

"کچھ نہیں" عمران سر ہلا کر بولا "دیکھا جائے گا۔"

"کیا اُن دونوں نے بتادیا ہے کہ وہ کس کے بھیجے ہوئے تھے۔"

"نہیں! اُن کا بیان ہے کہ وہ پچھلی رات بہت زیادہ نشے میں تھے۔ انھیں یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا۔ انھیں [illegible] کسی آدمی سے واقف

ہیں۔ اب انھیں صرف اسی الزام کے تحت روکا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس سے بغیر لائسنس کا ریوالور برآمد ہوا تھا۔"

"آپ کسی مفقود الخبر لیڈر کی بات کر رہے تھے۔"

"ختم کرو۔" عمران گردن جھٹک کر اٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے ہفتم الف والے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔ دروازہ کھلنے میں دیر لگی تھی۔ سوتے سے اٹھا تھا۔ ویسے بھی نصف سے زائد رات گذر چکی تھی۔

"خ خ... خیریت۔" وہ ہکلایا۔

"تمھیں... شادی کرنی ہی پڑے گی۔"

"کیا مطلب؟" وہ عمران کو گھورتا ہوا پیچھے ہٹا تھا۔

"جنرل نے یہی لکھا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"آرڈر از آرڈر... اگر انکار کرو گے تو گولی مار کر جہاں دل چاہے گا دفن کرا دونگا۔"

"یا میں خواب دیکھ رہا ہوں یا آپ پاگل ہو گئے ہیں۔"

"کیوں... کیا تمھاری شادی ہو چکی ہے۔"

"قطعی ہو چکی ہے۔"

"اور تمھاری بیوی تمھارے پیشے سے واقف ہے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"تمھاری ہم قوم ہے؟"

"نہیں — جرمن ہے۔"

"کوٹ کے استر میں لفافہ کس نے رکھا تھا۔"

"میں نہیں جانتا... کوٹ یہ مجھے جنرل سے ملا تھا۔"

"بیوی کیسی ہے؟"

"نہیں... آخر یہ سب آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ اوہ... میں سمجھا۔ جی ہاں وہ
بہودہ ہے۔ لیکن جو کچھ آپ سوچ رہے ہیں میں اُسکا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟"

"وہ نہیں جانتی کہ میرا اصل پیشہ کیا ہے۔"

"اُسے کیا بتایا ہے؟"

"ایک فرم کا ٹریولنگ ایجنٹ ہوں اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہے... میں باقاعدہ
طور پر اس فرم کا بھی ملازم ہوں۔ ویسے موسیو علی عمران میں اس قسم کی گفتگو کا عادی
نہیں ہوں۔" دفعتاً ہفتم الف کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا تھا۔

عمران نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور اُسے اس کی طرف بڑھاتا
ہوا بولا۔ "تم جنرل اسفندیار کے حکم سے میرے چارج میں دیئے گئے ہو۔ یہ رہا حکمنامہ۔"

ہفتم الف نے اُسے دیکھا تھا... ایک طویل سانس لی تھی ــ اور مستفسرانہ
نظروں سے عمران کو دیکھتا رہا تھا۔

"تو پھر اب مجھے کیا کرنا ہو گا؟" اس نے بالآخر پوچھا۔

"دوسری شادی ــ!"

"کیا آپ سنجیدہ ہیں موسیو عمران؟"

"میں ایک ذمے دار آدمی ہوں میرے دوست!"

"میں احتجاج کرتا ہوں۔"

"پہلی والی نہ تمھارے اصل پیشے سے واقف ہے اور نہ دوسری شادی کے
واقف ہو سکے گی۔"

"ضمیر — ہو سیو!"

"تم ایک پیشہ ور قاتل ہو لیکن تمہاری بیوی تمہیں ایک شریف آدمی سمجھتی ہے۔ — کیا کہتا ہے تمہارا ضمیر اس معاملے میں؟"

"وہ اور بات ہے۔"

"تمہاری شادی ہو کر رہے گی۔"

"کیا جنرل بھی چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں — اس وقت تم صرف میری ذمہ داری ہو۔"

دفعتاً ہفتم الف کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُس نے سختی سے جبڑے بھینچے تھے۔ اور عمران کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

"میں دو عورتوں کا بار نہیں اُٹھا سکتا۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"دوسری کا بار مجھ پر ہو گا۔ تم صرف شوہر ہو گے۔"

"کیا بات ہوئی؟"

"بس اب سو جاؤ — صبح کو بتاؤں گا کہ کیا بات ہوئی۔"

"ہو سیو عمران!"

"ہاں۔ ہاں۔ میں سُن رہا ہوں۔"

"خود میں نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اگر میں خود بھی اس سازش میں ملوث ہوتا تو اپنا وہ کوٹ وہیں آتا کر پھینک آتا جس کے استر میں کاغذات پوشیدہ تھے۔"

"ہائیں۔ ہائیں۔ میں نے کب کہا کہ تم ذاتی طور پر کسی سازش میں ملوث ہو۔"

"تو پھر یہ شادی وادی کا کیا چکر ہے۔"

"موت کے منہ سے بچ نکلنے کے بعد فوراً شادی کرنی چاہیے۔"

"وہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔"

"ناکافی تھی ۔۔ اسی لئے تو دوبارہ موت کے مُنہ میں پہونچے تھے۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ دو بیویوں کے شوہر سے موت بھی دور بھاگتی ہے۔"

"پتا نہیں میں پاگل ہو گیا ہوں ۔۔۔ یا آپ موسیو عمران۔"

"میں ہی پاگل ہوں کہ ابھی تک ایک بھی شادی نہ کر سکا۔" عمران مُنہ سُکھا کر بولا۔

●

عمران چلا گیا تھا اور ایجنٹ ہفتم الف نے بڑی بےچینی سے رات گذاری تھی۔ یہ شخص اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ صورت سے احمق ترین نظر آتا تھا۔ کبھی انتہائی عقلمندی کی باتیں کرتا اور کبھی بالکل گھامڑ معلوم ہوتا لیکن بہر حال کوئی ذمہ دار ہی آدمی معلوم ہوتا تھا ورنہ اُس کا چیف اُسے اس کے پاس کیوں بھیجتا۔ اس نے اُس کی یہودی بیوی کا ذکر بھی چھیڑا تھا۔ اگر وہ کاغذات کو بچا نہ لایا ہوتا تو شاید خود اُس کا چیف بھی یہی سمجھتا کہ وہ بھی اس سازش میں شریک ہے۔

دوسری صبح عمران پھر اس کے کمرے میں آیا تھا اور دو عدد پاسپورٹ سامنے ڈال دیئے تھے۔

"تمہارا اور تمہاری بیوی کا پاسپورٹ!"

اس نے خاموشی سے دونوں کا جائزہ لیا تھا اور اکتائے ہوئے انداز میں بولا تھا۔ "نہ یہ میرا پاسپورٹ ہے اور نہ میری بیوی کا۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو ۔۔ آؤ میرے ساتھ!" عمران اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

وہ اُسے دوسرے کمرے میں لے گیا تھا اور پاسپورٹ والی تصویر کے مطابق اس کا

میک اپ کرنے لگا تھا۔

"آخر اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" ہفتم الف نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ اس کے بغیر تم شہر سے باہر قدم نہ نکال سکو گے۔ یہ جو تمھارا تل ہے ناک کے نیچے۔ کل اس کی تلاش میں ایئرپورٹ پر ایک زخمی آدمی کے چہرے کی پٹی کھلوا دی گئی تھی۔ میں اسے گھنی مونچھوں میں چھپاؤں گا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"ایک سیاسی پارٹی کے لیڈر نے تمھارا حلیہ وہی درج کرایا ہے جو اس پر قاتلانہ حملہ کرنے والا تھا۔"

"لل... لیکن پہلے تو ڈاکے کی رپورٹ تھی۔"

"نامکمل اطلاع تھی۔ اس نے لکھوایا ہے کہ تم نے اس پر پے درپے دو فائر کئے تھے۔ بس اتفاقاً بچ گیا۔"

"اور آپ اس کے لئے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔"

"فی الحال کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔"

"کیا وہ برسر اقتدار پارٹی کا کوئی لیڈر ہے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

اس کے بعد ایجنٹ ہفتم الف نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور عمران خاصی دلجمعی سے اس کے چہرے پر اپنے فن کے نقوش بٹھاتا رہا تھا۔ پورا ایک گھنٹہ صرف ہو گیا اور پھر جب اُس نے آئینے پر نظر ڈالی تھی تو ہنسی روکنا محال معلوم ہونے لگا تھا۔

"یہ کوئی پیر روشن ضمیر معلوم ہوتا ہے نہ سیو عمران۔" اس نے قد آدم آئینے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

عمران نے اس طرح سر کو جنبش دی تھی جیسے کچھ اور سوچتا رہا ہو۔

"اب کیا کرنا ہے؟"

"پولیس کو تمہاری تلاش ہے اور اس لیڈر کے گرگے مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اس لئے مجھے بھی اپنے حلیے میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔"

"تو کیا آپ بھی میرے ساتھ چلیں گے؟"

"یقیناً۔۔ ورنہ تم اپنی بیوی کا تابوت تنہا کیسے لے جاؤ گے؟"

"کیا مطلب؟" ہفتم الف بوکھلا گیا۔

"دوسری بیوی کا تابوت" عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا "مجھے بیحد افسوس ہے کہ تمہارے نکاح میں آنے سے قبل ہی بے چاری اللہ کو پیاری ہو گئی۔"

"میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔"

"مجھے سرحد پار کرا دینے کے بعد تمہیں کھلی چھٹی ہو گی خواہ پاگل ہو جاؤ خواہ سچ مچ شادی کر لو۔"

وہ عمران کو تیکھی نظروں سے دیکھتا رہا۔ عمران نے پاسپورٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا "اس پاسپورٹ کے مطابق تمہارا نام خرم خاں ہے اور تابوت والی فرزانہ خانم تھی۔ تم اسے ساتھ لے کر یہاں آئے تھے۔ اتفاقاً وہ مر گئی اور اب تم اس کی لاش لے جا رہے ہو تاکہ اپنے آبائی قبرستان میں دفن کر سکو۔"

"کیا وہ سچ مچ مر گئی ہے؟"

"دیکھو دوست کوئی زندہ عورت کبھی تابوت میں لیٹنا پسند نہ کرے گی!"

"خدا جانے ۔۔ میں خود کو بالکل احمق محسوس کر رہا ہوں۔"

"ایک ہفتے کے اندر اندر میں تمہیں احمقوں کا تاجدار بنا دوں گا۔ فکر نہ کرو۔!"

"تابوت کہاں ہے؟"

"روانگی کے وقت ساتھ ہو جائے گا۔"

عمران نے اپنا میک اپ شروع کر دیا تھا۔

●

تابوت کا ڈھکنا ہٹایا گیا۔ وہ کفن میں لپٹی ہوئی تھی۔ صرف چہرہ کھلا ہوا تھا ایجنٹ ہفتم الف نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"اگر زندہ ہوتی تو تم شادی سے انکار نہ کر سکتے"۔ عمران نے آہستہ سے کہا۔

"ایسی حسین عورتیں میں نے کم ہی دیکھی ہوں گی۔ یہ کون تھی ہو سیہ ــــ؟ میرا مطلب ہے حقیقتاً کون تھی؟"

عمران نے کوئی جواب دیئے بغیر ڈھکنا بند کر دیا اور قریب ہی کی میز پر ایک نقشہ پھیلاتے ہوئے اُسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"جنرل اسفندیار کے خیال کے مطابق اس ملک کے ویران حصے تمہارے دیکھے بھالے ہیں"۔

"جی ہاں"۔

"اور شمالی سرحد کے قریب ہی کہیں تم نے اپنا ٹھکانہ بھی بنا رکھا ہے"۔

"یہ بھی درست ہے"۔

"اور یہاں کے باشندوں کی زبان بالکل اُن ہی کے سے لہجے میں بول سکتے ہو"۔

"جی ہاں!"

"بس تو پھر ہم اسی جگہ سے سرحد پار کریں گے"۔ عمران نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہو ــــ آپ نے تو باقاعدہ نشانات لگا رکھے ہیں"۔

"یہ نقشہ اُن ہی کاغذات میں تھا جو تم لائے ہو"

"اچھا — تو اس میں تو اُس جگہ بھی نشان لگا ہوا تھا۔ جہاں میرا قیام ہوتا ہے"

"ہم سرحد پار کر کے سیدھے وہیں چلیں گے۔ پورا سفر دو دن میں طے ہو گا"

"کیا بذریعہ طیارہ نہیں ہو گا"

"مصلحتاً نہیں ہو گا — ہم لاری سے تابوت لے چلیں گے"

"میں نہیں سمجھ سکتا"

"کیا نہیں سمجھ سکتے؟"

"کیا اس سفر کے لئے تابوت ضروری ہے"

"اشد ضروری ہے"

"لیکن دو دن میں لاش کا کیا حال ہو گا"

"اس کا انتظام بھی کر لیا گیا ہے کہ لاش خراب نہ ہونے پائے"

"ایسے عجیب حالات سے پہلے کبھی دوچار نہیں ہوا"

عمران نے اس کے ریمارک کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ لیکن شاید ہفتم الف خاموش نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا "اور یہ بھی پہلی ہی بار ہوا ہے"

اُس نے اپنے میک اپ کئے ہوئے چہرے کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔

"کیا اس سے تمہیں کوئی تکلیف ہو رہی ہے؟"

"نہیں لیکن الجھن ضرور ہو رہی ہے"

"تھوڑی دیر بعد عادی ہو جاؤ گے۔ اور ہاں اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تم یہاں صرف اسی لئے بھیجے گئے ہو کہ اُس ملک میں میری رہنمائی کر سکو ورنہ کاغذات تو دوسرے ذرائع سے بھی پہنچ سکتے تھے"

"میں سمجھ گیا لیکن تابوت ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکا"

"انگریزی کی اسپائی فلمیں دیکھتے ہو؟" عمران نے پوچھا۔
"کبھی کبھی!"
"سیکریٹ ایجنٹ کے ساتھ ایک عورت ضرور ہوتی ہے۔"
"اوہ ___!" وہ ہنس پڑا۔
"زندہ عورت اس لئے ساتھ نہیں رکھتا کہ بکواس بہت کرتی ہے۔ زندہ... عورت سے محبت بھی کرنی پڑتی ہے اور اس کی محبت برداشت کرنے کیلئے دماغ کو کباڑخانہ بنانا پڑتا ہے۔ بسا اوقات کوئی ایسی بھی مل جاتی ہے کہ شادی کئے بغیر نہیں مانتی، جیسا کہ تمھارے ساتھ ہوا تھا۔"
"آپ کیا جانیں؟" ہفتم الف اچھل پڑا۔
"سب کی کہانی ایک ہی ہے میرے دوست۔ فطرتِ آدم زاد بھی ایک ہی ہے۔ صرف نام بدلے ہوئے ہوتے ہیں کرداروں کے۔"
"کیا آپ سچ مچ غیر شادی شدہ ہیں؟"
"الحمداللہ ___ میں اپنی بیوی کو کسی طرح باور نہ کرا سکوں گا کہ تہ کاریوں کی آڑھت کرتا ہوں۔"
"آپ کے ساتھ وقت بہت اچھا گذرے گا موسیو عمران۔"
شام تک ان کی روانگی ہو گئی تھی۔ گاڑی پر صرف چار افراد تھے۔ ایک ڈرائیور، ایک کلینر اور یہ دونوں ___ تابوت پچھلے حصے میں رکھا ہوا تھا۔
"آپ کا ملک بہت خوبصورت ہے۔" ہفتم الف نے کہا۔
"شکریہ! مجھے بھی تمھارا ملک بہت پسند آیا تھا۔"
"کیا آپ وہاں کبھی نہیں گئے؟"
"گیا ہوں ___ لیکن صرف شہروں تک محدود رہا تھا۔ غیر آباد جگہوں سے واقف

نہیں ہوں۔"

"پورا ملک میرا چھانا ہوا ہے۔"

"اسی لئے جنرل اسفندیار نے تمہیں اس مہم کے لئے منتخب کیا ہے۔"

"کیا قصہ ہے۔"

"ابھی سے ذہن کو نہ الجھاؤ۔ وہیں پہونچ کر دیکھا جائے گا۔"

"اس بیچاری عورت کے اصل شوہر کو اس پر آمادہ کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی ہو گی۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ ہفتم الف سمجھ گیا کہ وہ اس کے بارے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

سفر رات بھر جاری رہا تھا۔ نصف شب کے بعد عمران نے ڈرائیور سے آرام کرنے کو کہا تھا اور خود اسٹیرنگ سنبھال لیا تھا۔

دوسری صبح عمران نے گاڑی سڑک سے اتار کر ایک گاؤں کی طرف موڑ دی —— وہاں انہوں نے ناشتہ کیا تھا۔ ہفتم الف حیرت سے آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھتا رہا پھر خوش ہو کر بولا "وہی ہے۔"

"کیا —؟" عمران چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہی جگہ ہے... صد فیصد وہی جگہ —!"

عمران بدستور مستفسرانہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

"میں آپ کے یہاں کی فلمیں اکثر دیکھتا رہتا ہوں — وہ شاید یہیں فلمائی جاتی ہیں — مجھے اُس کنوئیں پر لے چلئے جہاں سے ہیروئین پانی بھرتی ہے اور بہت سی لڑکیاں اس کے گرد رقص کرتی ہیں۔"

عمران نے رونی صورت بنائی اور کراہ کر بولا "بھائی وہ گاؤں تو صرف چھین چھوری اسٹوڈیو میں پایا جاتا ہے — یہ حاجی چودھری اللہ رکھا کا پنڈ ہے — حاجی صاحب کنوئیں

پرنا چنے والیوں کے [illegible]ں کو ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیں ۔"

"اوہ ۔ !" ہفتم الف کے لہجے میں مایوسی تھی۔ "آپ لوگ بہت مذہبی ہیں ۔ !"

"بہت نہیں ۔ صرف بیس فیصد ۔ اگر پچاس فیصد بھی ہو جائیں تو ساری دنیا میں کوئی ہم سے آنکھ نہ ملا سکے ۔"

پھر وہ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے تھے۔ ہفتم الف تو شروع ہی سے فکر مند نظر آتا رہا تھا۔ ناشتے کے اختتام پر اُس نے عمران سے کہا۔ "لیکن اس حلئے میں تو وہاں نہیں جا سکوں گا، جہاں اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے ۔"

"یہ حلیہ صرف سرحد پر چیکنگ کیلئے ہے۔ آگے بڑھتے ہی سب کچھ ختم ہو جائے گا ۔"

"اور یہ تابوت ۔ ؟"

"تابوت میں کیا خرابی ہے ۔"

"میری وہ قیامگاہ کسی ویرانے میں نہیں ہے۔ آس پاس کچھ اور بھی رہتے ہیں اور مجھے ایک اسکالر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ شہر کی رہائش سے اکتا کر میں اس گوشۂ عافیت کا رخ کرتا ہوں ۔"

"وہاں یہ میری بیوی کا تابوت بن جائے گا۔ تم قطعی فکر نہ کرو۔ مردہ عورتیں میرے کان نہیں چاٹ سکتیں ۔"

اس رات کو وہ سفر جاری نہیں رکھ سکے تھے کیونکہ اچانک بادل گھر آئے تھے اور گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو گئی تھی اور ہوا بھی تیز تھی ۔ لاری سڑک سے اتار کر ایک میدان میں کھڑی کر دی گئی۔ کھڑکیوں کے شیشے چڑھا دیئے گئے۔ ایجنٹ ہفتم الف بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

"مسٹر عمران کیا آپ مرطوب موسم میں بھی نہیں پیتے ۔"

"پینے پلانے کا موسم سے کیا تعلق ۔"

"کچھ لوگ کیف پرشگال کو دوبالا کرنے کیلئے شوقیہ بھی پی لیتے ہیں۔"

"یار، مجھے کبھی کسی چیز کا شوق نہیں رہا۔"

"چلتی پھرتی مشین ہیں آپ۔"

"تم پینا چاہو تو پی سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

ہفتم الف نے تھیلے سے بوتل نکالی تھی اور پلاسٹک کے گلاس میں انڈیلنے لگا تھا۔ دفعتاً اُس نے ہاتھ روک کر کہا "یہ میں کیا کرنے لگا ہوں۔ ہمارے ساتھ ایک جنازہ بھی ہے۔"

"جنازے کی پرواہ نہ کرو۔ مرنے کے بعد بھی جو عورت ساتھ چھوڑنے پر تیار نہ ہو اُس کا کہاں تک خیال رکھا جائے گا۔"

"تو پھر پی لوں؟"

عمران کچھ نہ بولا۔ ہفتم الف ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا "مجھے بار بار اُس کا چہرہ یاد آرہا ہے۔ بڑی دلکش عورت رہی ہوگی۔"

"ہاں تھی تو... کیا خیال ہے۔ اگر زندہ ہوتی تو تم شادی کر لیتے۔"

"بات دراصل یہ ہے موسیو عمران کہ ہر عورت چھ ماہ بعد مجھے بُری لگنے لگتی ہے۔"

"تو تم اپنی بیوی سے پوری طرح متنفر ہو چکے ہو گے۔"

"ہاں — لیکن چونکہ بیوی ہے اس لئے چھٹکارا ناممکن ہے۔"

"کبھی کبھی نفرت کا اظہار بھی کرتے ہو گے۔"

"سب سے بڑی دشواری یہی ہے کہ ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اسی زبان سے اُس کی محبت کے گیت گا چکا ہوں۔"

"سوال تو یہ ہے کہ محبت نفرت میں کیوں بدل گئی۔"

جب تک شادی نہیں ہوتی محبوبائیں تصویر بنی رہتی ہیں ... شادی ہو جانے

کے بعد کفن پھاڑنے لگتی ہیں ــــ خدا انھیں غارت کرے۔"

"ضرور . . . ضرور ــــ !"

"تو آپ مجھ سے متفق ہیں۔"

"دوسرے گلاس کے اختتام پر بالکل متفق ہو جاؤں گا۔"

"آپ کو متفق ہونا ہی پڑے گا۔ میں غلط نہیں کہتا۔ مگر آپ کیا جانیں۔ آپ نے تو شاید کبھی محبت بھی نہ کی ہو۔"

"اس کے لئے کوالیفائیڈ نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب ؟"

"میرا معدہ کبھی خراب نہیں ہوا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"معدے میں پیدا ہونے والی بعض ناقص رطوبتیں محبت کا قوام بناتی ہیں۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"طبّی حقیقت ہے۔"

"سارا قصور میری ماں کا ہے۔"

"کیا مطلب ؟"

"بچپن میں مجھے مار مار کر کیسٹر آئیل پلایا کرتی تھی۔"

"تب تو معدہ باقی ہی نہ بچا ہوگا۔"

"خدا جانے ــ !" اس نے دوسرے گلاس کا آخری گھونٹ لیا تھا۔

رات انھوں نے اسی میدان میں گذاری تھی۔ باری باری سے سوتے جاگتے رہے تھے۔ تیسری صبح ناشتے کے بعد پھر سفر شروع ہوا تھا۔

"تو آپ مجھے اس عورت کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔" ہفتم الف نے عمران سے کہا۔

"تدفین سے پہلے نہیں۔"
"کہاں دفن کریں گے؟"
"جہاں بھی موقع مل گیا۔"
"تو کیا اس بیچارے کی قبر گمنام ہی رہے گی۔"
"اس کا انحصار بھی قبر بننے یا نہ بننے پر ہوگا۔"
ہفتم الف نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور اونگھنے لگا۔

●

سرحد پار کرنے سے قبل عمران نے اپنی طرف کے محافظوں کو کاغذات دکھا کر مطمئن کر دیا تھا اور گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

دوسری طرف کی سرحدی چوکی پر تابوت کا ڈھکنا اٹھا کر لاش بھی دکھانی پڑی تھی اور کاغذات پر خانہ پری کے بعد انھیں سفر جاری رکھنے کی اجازت مل گئی تھی۔

"اب تم ہمیں اپنی یہاں کی قیامگاہ والے راستے پر ڈالو گے۔"
"مزید پندرہ میل آگے بڑھنے کے بعد ۔۔۔!"
"کیا تم اس بستی میں اپنی اصلی صورت ہی سے پہچانے جاتے ہو۔"
"جی ہاں ۔۔۔!"
"تب تو ہمیں راستے میں کہیں رکنا پڑے گا۔ کوئی معقول سا غار مل سکے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ پہاڑوں کی بناوٹ بتا رہی ہے کہ غار بکثرت ہوں گے۔"

ہفتم الف کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اچھی بات ہے۔"

دور تک بھورے رنگ کے ننگے پہاڑوں کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے اور ان پر چمکنے والی دھوپ آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔

"تم بہت فکرمند نظر آنے لگے ہو۔" دفعتاً عمران نے ہفتم الف کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اس بستی میں سبھی اَن پڑھ نہیں ہیں۔ ایک گھرانہ ایسا بھی ہے جہاں کے کئی افراد مغربی ممالک سے بیچلر ز ڈگریاں لے آئے ہیں۔"

"کاٹنے تو نہیں دوڑتے۔" عمران نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اُنھوں نے مجھے ہمیشہ تنہا دیکھا ہے۔"

"کہو تو میں عورت کا میک اَپ کر لوں۔ اپنی بیوی کی حیثیت سے مجھے متعارف کرا دینا۔"

"مسٹر عمران —— پلیز —!"

"تم اسکالر ہو۔ مجھے اپنے حاشیہ بردار کی حیثیت دے دینا۔ یہ ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" اس نے طویل سانس لی۔

گاڑی دشوار گذار راستوں پر بہت احتیاط سے چلائی جا رہی تھی۔ اس لئے رفتا
زیادہ تیز نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد ہفتم الف نے کہا۔ "اس طرف گاڑی کا گذر نہ ہو سکے گا جہاں غار پائے جاتے ہ

"اُف... نوہ —!" عمران اپنے سر پر دوہتھڑ چلاتا ہوا بولا۔ "رک رک کر اطلاع
فراہم کر رہے ہو۔ میں نے سوچا تھا کہ تابوت کو کہیں احتیاط سے رکھ دیں گے۔ شاید پھر کبھی
آئے۔ لیکن اب یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اُسے ضائع کر دینا پڑے گا۔"

"اور لاش کا کیا ہوگا؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" عمران نے کہا اور ڈرائیور کو گاڑی روک کر سڑک کی بائیں جانب اُتار لینے کی ہدایت دی۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" ہفتم الف نے حیرت سے پوچھا۔

"اٹھو —— چلو لاش کو ٹھکانے لگا دیں۔"

"یہاں ــ ؟"

"ہاں ــ یہیں!"

اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار پھر سے عود کر آئے تھے۔ گاڑی سے اتر کر وہ پچھلے حصّے کی طرف آئے اور تابوت کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ عمران نے ڈھکنا اٹھایا اور پھر لاش کے بال مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا مار اتھا۔

"ارے ــ ارے ــ!" ہفتم الف بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

لاش کا سر گردن سمیت اکھڑ کر عمران کے ہاتھ میں آگیا تھا۔

"یہ... یہ ــ!" ہفتم الف کے لہجے میں احتجاج بھی تھا اور کسی قدر خوفزدگی بھی شامل تھی۔

"پلاسٹک کا ہے۔" عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"نہیں ــ!" ہفتم الف بیساختہ ہنس پڑا لیکن انداز میں شرمندگی بھی تھی پھر اس نے اُسے ٹٹولتے ہوئے کہا تھا۔ "کمال ہے ــ! ہاتھ لگائے بغیر اندازہ نہیں ہو سکتا کہ یہ گوشت پوست کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔"

"اور اب آؤ ــ لاش کے بقیہ حصّوں کی طرف!" عمران نے کہتے ہوئے کفن کے بند کھول دیئے۔ اس بار ہفتم الف نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

کفن کے اندر سے ایک ٹامی گن، ایک مشین پسٹول، ایک سائلنسر لگا ہوا پسٹول اور ان کا ایمونیشن برآمد ہوا تھا ــ یہ سارا سامان دو سوٹ کیسوں میں منتقل کر دیا گیا اور سوٹ کیس کا سامان تھیلوں میں پیک کرنے کے بعد عمران نے کہا۔ "تابوت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نیچے ڈھلان میں پھینک دیں گے۔ مجھے جو مہم درپیش ہے اُس کیلئے اسلحہ ضروری تھا۔"

ہفتم الف کچھ نہ بولا۔

"میرے خیال سے گاڑی کو چلتے ہی رہنا چاہئے۔" عمران نے کہا۔ "تابوت کے سارے ٹکڑے ایک ہی جگہ نہ پھینکے جائیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی!" ہفتم الف نے خالی الذہنی کے سے انداز میں کہا۔

گاڑی کے حرکت میں آجانے کے بعد عمران نے تابوت کے تختے الگ کرنا شروع کیا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں یہ کام بھی اختتام کو پہونچ گیا۔ تختے ایک ایک کر کے پھینک دیئے گئے تھے۔ پھر عمران نے نقشہ نکالا اور اُسے فرش پر پھیلاتے ہوئے ہفتم الف کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"یہی۔۔ وہ مقام ہے نا جہاں ہمیں قیام کرنا ہے؟" اُس نے ایک نشان پر اُنگلی رکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ یہی ہے"

"اب اس نشان کو دیکھو"

"دیکھ رہا ہوں!"

"دونوں کے درمیان اندازاً کتنا فاصلہ ہوگا؟"۔

"پیمانہ کیا ہے؟"

"یار! عقل کے ناخن لو۔۔ اگر مجھے پیمانہ معلوم ہوتا تو تمہیں کیوں زبان ہلانے کی زحمت دیتا۔ خود ہی ناپ لیتا فاصلہ۔۔ یہ نقشہ تم ہی لائے تھے۔ اس کے پیمانے سے متعلق کوئی نوٹ منسلک نہیں تھا"

"ٹھہریئے!" ہفتم الف کچھ سوچتا ہوا ہاتھ اُٹھا کر بولا "میں فاصلہ بتا سکوں گا۔۔ عرض البلاد اور طول البلاد کی مدد سے۔۔ ہمارا اپنا طریقِ تفہیم ہے۔۔ یہ... یہاں..... ٹھیک ہے۔۔ اس جگہ "بلندا" ہی ہو سکتا ہے لیکن"

"لیکن کیا؟"

"میری قیامگاہ سے شاید بارہ تیرہ میل کے فاصلے پر ہوگا۔ انتہائی دشوار گذار۔۔ گاڑی یا کسی قسم کی سواری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا"

"اچھا تو پھر؟"

"یہ بارہ تیرہ میل تین چار دن کھا جائیں گے۔"

"مجھے یہیں پہونچنا ہے۔ نشان کے گرد دائرہ دیکھ رہے ہو نا۔ یہ۔ تمہارے جنرل کا بنایا ہوا ہے۔"

"تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ آپ جنرل کی رہنمائی میں کہیں پہونچنا چاہتے ہیں۔" اس نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"یہی بات ہے۔ اور جنرل کی نمائندگی تم کروگے اس سلسلے میں۔"

"آخر وہاں کیا ہے؟"

"کیا تمہارا یہ سوال مناسب ہے۔" عمران نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ ۔۔ مجھے افسوس ہے۔ بہر حال یہاں تک پہونچنے کیلئے۔ باقاعدہ طور پر پلاننگ کرنی پڑے گی۔ لہٰذا میری قیامگاہ تک پہونچنے کے بعد ہی اس پر تفصیلی گفتگو کیجئے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

●

وہ بڑی پرفضا جگہ تھی۔ دور دور تک چاروں طرف باغات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے اور چھوٹی بڑی متعدد عمارتوں پر مشتمل یہ بستی ہر اعتبار سے خوشحال لوگوں کی بستی کہلائی جا سکتی تھی۔ پھلوں کے باغات ہی یہاں کے باشندوں کا ذریعہ معاش تھے۔

یہاں پہونچنے سے قبل ہفتم الف اپنی اصلی شکل میں آگیا تھا۔ لیکن عمران کا میک اپ بدستور برقرار رہا تھا۔

بستی کے لوگوں نے کھلے دل سے ہفتم الف کی پذیرائی کی تھی۔ وہ یہاں پروفیسر دارا کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ عمران کا تعارف اس نے ایک شاگرد کی حیثیت سے کرایا تھا۔

یہ چھوٹا سا خوبصورت مکان ہفتم الف ہی کی ملکیت تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی دیکھ بھال ایک مقامی آدمی کرتا تھا۔

"میں یہاں دس ماہ بعد آیا ہوں۔" ہفتم الف یا پروفیسر دارا نے عمران کو بتایا۔

"بس اب کام کی بات کرو۔"

"میں اس جگہ کے بارے میں مقامی لوگوں سے مزید معلومات فراہم کئے بغیر کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"اس میں کتنا وقت صرف ہوگا؟"

"اگر یہ کوئی اہم معاملہ ہے تو مجھے احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔"

"انتہائی اہم سمجھو!"

"بس تو پھر میں براہ راست قسم کے سوالوں سے گریز کروں گا۔ آپ جانتے ہی ہوں گے، یہ طریق کار نتائج کے لحاظ سے غیر یقینی نہ سہی تو دیر طلب ضرور ہوتا ہے۔"

"کمال ہے!" عمران نے حیرت سے کہا "یہاں قدم رکھتے ہی تم نے مجھ سے بھی علمی ہی زبان میں گفتگو کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"محض اس لئے کہ کہیں دوسروں کے سامنے بھی نہ بہک جاؤں۔"

"احتیاط اچھی چیز ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"اچھا اب میں چلا۔ آپ ذرا محتاط رہئے گا۔"

"فکر نہ کرو۔"

اس کے چلے جانے کے بعد عمران نے ایک بار پھر نقشہ نکالا تھا اور بغور اُس کا جائزہ لینے لگا تھا۔ اسکیل سے کچھ فاصلے بھی ناپے تھے اور پُر تفکر انداز میں سر ہلاتا رہا تھا۔

پندرہ بیس منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ ایک ادھیڑ عمر کی عورت اور ایک نوجوان لڑکی سامنے کھڑی نظر آئیں۔ دونوں اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"پروفیسر دارا۔" معمر عورت کی زبان سے نکلا۔

"وہ موجود نہیں ہیں محترمہ!" عمران نے بڑے ادب سے کہا۔

"ہم انتظار کرلیں گے۔" عورت بولی۔

"تشریف لائیے" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

وہ انھیں نشست کے کمرے میں لایا تھا۔ دونوں بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی تھی۔ پھر معمّر عورت نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا تھا "اس سے پہلے پروفیسر ہمیشہ تنہا ہی آتے رہے ہیں"

"میں اُن سے طب کا درس لے رہا ہوں محترمہ!" عمران بولا "یہاں مجھے اس لئے لائے ہیں کہ جڑی بوٹیوں کی پہچان کرا سکیں"

"تو کیا پروفیسر طب بھی پڑھاتے ہیں"

"طب، فلسفہ، اور ہیئت تینوں کا درس دیتے ہیں"

"بہت خوش مزاج آدمی ہیں" لڑکی بولی۔

"جی ہاں... بہت زیادہ!"

"کب تک واپسی کی توقع کی جائے" معمّر عورت نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں میں کچھ بھی عرض نہ کر سکوں گا"

"ہو سکتا ہے جلد ہی آجائیں — کیوں نہ ہم انتظار کر لیں"

بوڑھی عورت عمران کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً اس نے پوچھا۔

"کیا آپ علم نجوم میں بھی دخل رکھتے ہیں"

"نہیں محترمہ! میں نے عرض کیا تھا کہ صرف طب کا درس لیتا ہوں"

"پروفیسر دارا علم نجوم میں بھی دستگاہ رکھتے ہیں"

"جی ہاں"

"آپ کو دلچسپی نہیں"

"صرف اس حد تک کہ شاید دن میں بھی کبھی کوئی ستارہ دیکھ سکوں"

"بیشمار فلمی ستارے دن میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں" لڑکی بولی۔

عمران اس طرح ہنس پڑا تھا جیسے لڑکی نے حاضر جوابی کا ریکارڈ توڑ دیا ہو۔

"اس نے آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی ہے۔" عورت اُسے پیار سے دیکھتی ہوئی بولی

"میرا بھی یہی اندازہ تھا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "صاحبزادی کی تربیت بہت اچھی ہوئی ہے۔ غالباً انگلش کے علاوہ کچھ اور یورپی زبانیں بھی جانتی ہوں گی۔"

"نہیں ــ مجھے وقت ہی نہیں مل سکا۔" لڑکی بولی۔ "فرنچ اور جرمن سیکھنا چاہتی تھی ـــ"

اتنے میں پھر کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔

"معاف کیجئے گا۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

وہ صدر دروازے کی طرف آیا تھا۔ لیکن جیسے ہی دروازہ کھولا ہیثم الف اس پر آپڑا۔ شاید دروازے پر ہی زور ڈالے کھڑا رہا تھا۔

"کیا ہوا ــ؟" عمران اُسے سنبھالتا ہوا بولا۔ ویسے اُسے پہلی ہی نظر میں پتا چل گیا تھا کہ اس کا داہنا شانہ زخمی ہے۔ کوٹ کی آستین سے خون ٹپک رہا تھا۔

"وہ... وہ... !" اس کے علاوہ کچھ اور نہ کہہ سکا۔ بیہوش ہو کر عمران کے ہاتھوں پر جھول گیا۔ عمران نے ایک ہاتھ سے اُسے سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ بولٹ کر کے دونوں عورتوں کو آواز دی۔

شاید ان کے لئے یہ چیز غیر متوقع تھی اس لئے دوڑتی ہوئی صدر دروازے کی طرف آئی تھیں۔

"ارے یہ کیا ہوا؟" دونوں نے بیک وقت کہا تھا۔

"زخمی ہیں ـــ پروفیسر اور یہ گولی ہی کی ضرب ہو سکتی ہے۔ کوٹ میں سوراخ ہو گیا ہے۔"

"خداوندا یہ کیا ہوا۔" عورت کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی تھی اور پھر وہ

تینوں ہی اُسے اُٹھا کر کمرے میں لائے تھے۔

"یہیں... فرش پر... ٹھیک ہے۔" عمران نے کہا۔

اُسے فرش پر ڈال دیا گیا۔ عورت اس کی نبض دیکھ رہی تھی۔

"اپنے پیروں ہی سے چل کر یہاں تک آئے ہوں گے۔" عمران نے کہا۔" اس لئے تشویش کی بات نہیں صرف بیہوشی ہے۔"

"میں کہتی ہوں کہ ایسے شریف اور بے ضرر آدمی پر کس بدبخت نے گولی چلائی۔"

"علم نجوم کا کھیلا معلوم ہوتا ہے۔" عمران نے اُس کا کوٹ اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔" کسی کیلئے کوئی پیشینگوئی غلط نکل گئی ہوگی۔"

"صرف چند لوگوں کو معلوم ہے کہ پروفیسر پیشینگوئی بھی کرتے ہیں۔"

عمران نے زخم دیکھا۔ شانے کی ہڈی محفوظ تھی اور خون بھی جمنے لگا تھا۔

"کک... کیا گولی اندر رہ گئی ہے۔" لڑکی نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں... کھال پھاڑتی ہوئی گذر گئی ہے... ورنہ... یہ یہاں تک نہ پہونچ سکتے۔ زخم بھی معمولی ہے۔"

"اللہ تیرا شکر ہے۔" عورت کراہ کر بولی۔

عمران نے اپنے سامان سے فرسٹ ایڈ بکس نکالا تھا اور لڑکی پانی گرم کرنے کیلئے کچن میں چلی گئی تھی۔

"آخر کون ہو سکتا ہے۔" عورت نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"میں کیا عرض کروں محترمہ! یہاں اجنبی ہوں۔ پہلی بار اس طرف آنا ہوا تھا۔"

"یہاں کوئی بھی تو ان کا دشمن نہیں ہو سکتا۔"

"ہوش میں آنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا کہ کیا چکر تھا۔"

لڑکی پانی گرم کر کے لائی تھی اور عمران پروفیسر دارا کا زخم صاف کرنے

لگا تھا۔ ڈریسنگ کر دینے کے بعد اس نے اُسے پھر اُٹھایا اور دوسرے کمرے میں لے جاکر بستر پر لٹا دیا۔

"اب یہ ہوش میں کیسے آئیں گے" عورت نے پوچھا۔

"خدا ہی جانے ۔ ابھی میں نے اتنی زیادہ طب نہیں پڑھی"

"کوئی خطرے کی بات تو نہیں"

"میری دانست میں تو خطرے سے باہر ہیں"

"دنیا اچھے لوگوں کی قدر نہیں کرتی"

"اور بُرے آدمیوں کو بھی گالیاں ہی دیتی رہتی ہے"

"ہاں یہ بھی ہے"

"تب پھر دنیا کا ذکر ہی فضول ہے"

لڑکی اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً بولی "میں شروع ہی سے ایک عجیب سی بات محسوس کر رہی ہوں"

"وہ کیا محترمہ؟"

"آپ پریشان نہیں ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی خاص بات ہی نہ ہوئی ہو"

"گولی لگنا۔ بھلا اس میں کیا خاص بات ہو سکتی ہے۔ خاص بات یہ ہوتی کہ پروفیسر بندوق کی نال چبا ڈالتے"

"آپ عجیب آدمی ہیں"

"جو دل چاہے سمجھئے۔ ہم پیدا ہوئے ہیں تو حادثات کا شکار بھی ہوں گے۔ ہمیں موت بھی آئے گی۔ بھلا ان واقعات میں کوئی خاص بات کہاں سے ہو سکتی ہے۔ خاص بات وہی کہلائے گی جو خلافِ فطرت ہو"

"کیا یہ ان باتوں کا وقت ہے" عورت بولی۔

"میں خود تو نہیں کر رہا تھا باتیں — صاحبزادی نے چھیڑی تھیں۔"

دفعتاً پروفیسر دارا کراہنے لگا تھا۔ وہ اُس کی طرف متوجہ ہو گئے — پپوٹے جنبش کر رہے تھے۔ ہونٹوں میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا — لیکن آنکھیں نہیں کھلی تھیں — کراہنے کا انداز اُسی طرح بدلتا جا رہا تھا جیسے ہوش میں آ رہا ہو۔

تھوڑی دیر تک وہ خاموش کھڑے رہے تھے۔ پھر عورت اُسے آوازیں دینے لگی تھی۔

"پروفیسر... پروفیسر... ! یہ میں ہوں... خانزادی جمیلہ —"

اُس نے آنکھیں کھول دیں — لیکن ہلکی ہلکی کراہیں اب بھی جاری تھیں۔

"ابھی پولئے مت۔" عمران نے عورت سے کہا۔

پروفیسر دارا چند لمحے ویران ویران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا تھا، پھر یک بیک اُٹھ بیٹھا تھا۔

"لیٹے رہئے پروفیسر۔" عمران اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"نن... نہیں... ہم خطرے میں ہیں۔"

"یہ خواتین... !" عمران اونچی آواز میں بولا۔

"کون خواتین —؟" پروفیسر چونک پڑا۔ اور اب ایسا معلوم ہوا جیسے اُس نے پہلی بار اُن دونوں کو دیکھا ہو۔

"اوہ... آپ... معاف کیجئے گا۔"

"یہ آخر ہوا کیا پروفیسر؟" عورت نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی نادیدہ دشمن... اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ بظاہر میرا کوئی بھی دشمن نہیں ہے۔ اس لئے کوئی واضح نشاندہی بھی نہیں کی جا سکتی۔"

"لیٹ جائیے جناب — !" عمران نے نرم لہجے میں کہا۔ "میرے جیتے جی کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔"

"اوہ... تم نہیں سمجھ سکتے۔"

"ایک گھنٹہ گذر چکا ہے آپ کی بیہوشی کو۔ ابھی تک تو کسی نے بھی ادھر کا رُخ نہیں کیا۔"

"اُوہ... اُوہ —" وہ کراہتا ہوا پھر لیٹ گیا۔

"ہمیں بیحد افسوس ہے پروفیسر! آپ کی دیکھ بھال۔ بیحد ضروری ہے کیوں نہ آپ ہمارے ساتھ چلئے۔"

"ارے دیکھ بھال کی فکر نہ کیجئے۔ میں جو یہاں ہوں۔ پروفیسر تنہا نہیں ہیں۔"

"مرد کیا جانیں، کہ دیکھ بھال کیسے کی جاتی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"نہیں! تکلیف نہ کیجئے۔!" پروفیسر نے کہا۔ "یہ بخوبی میری تیمارداری کر سکیں گے۔"

"اچھا تو پھر یہی منظور کر لیجئے کہ رات کا کھانا ہم بھجوا دیں۔ جب تک آپ پوری طرح صحت یاب نہ ہو جائیں۔ یہ خدمت ہمارے سُپرد کر دیجئے۔"

"جیسی آپ کی مرضی!"

"شکریہ!"

"شام کو ہم پھر آئیں گے۔" عورت بولی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں چلی گئی تھیں۔ عمران انہیں رخصت کرنے کے بعد دروازہ بولٹ کر کے پروفیسر دارا کے پاس واپس آ گیا۔ وہ بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یہ کیا۔؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

"وہ ہمیں گھیر کر مار لیں گے۔"

"دور دور تک کسی کا پتا نہیں ہے۔ آخر یہ ہوا کیسے۔"

"میں کچھ خریداری کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے باہر گیا تھا اور بلند اسے متعلق معلومات بھی فراہم کرنی تھیں۔ ایک ویران راستے سے گذر رہا تھا کہ اچانک بائیں جانب سے بے آواز فائر ہوا تھا۔ میں نے دائیں جانب دیوار کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔

اُدھر ایک خشک نالا ہے جس کے کناروں پر اونچی اونچی خاردار جھاڑیاں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ حملہ آور ایک سے زیادہ نہیں تھے۔ ورنہ میں بچ کر نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکتا۔"

"اور اب اِن دونوں عورتوں کی وجہ سے پوری بستی کو معلوم ہو جائے گا۔" عمران نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ وہ یہاں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ میرے خدا ـــ میرا محکمہ ـــ! اب کسی راز کو راز رکھنے کا اہل نہیں رہا۔"

"یہ بات تو ہے ـــ تمھارے گھر کا بھیدی اتنا تیز معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے یہاں پہونچنے سے پہلے ہی متعلقہ لوگوں کو علم ہو گیا۔"

"اب بھی اگر آپ مجھے اصل معاملے سے آگاہ نہ کریں گے تو یہ بہت بڑی ..... زیادتی ہو گی۔"

"کیا تم یہاں اتنی دیر ٹھہرنا پسند کرو گے کہ میں پوری کہانی دہرا دوں۔"

"اوہ... شاید میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ پھر اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھے رہو! اب اتنی ہی دیر زندہ رہ سکو گے جتنی دیر اس چہار دیواری تک محدود رہتے ہو۔"

"ہاں ـــ شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔"

"تمھارا ذہن کام نہیں کر رہا اس وقت لہٰذا صرف کہانی ہی سے دل بہلاؤ۔ میرے ملک کا ایک لیڈر جو موجودہ حکومت سے اختلاف رکھتا تھا ایک دن پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کسی نامعلوم ریڈیو اسٹیشن سے اس کی تقریریں سنی جانے لگیں۔ وہ ایک خاص علاقے کے لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تمھارے چیف کو کسی طرح اُس مقام کا علم ہو گیا ہے جہاں آج کل اس لیڈر کو اُس ... ہے ... جالات ... کے بارے میں پوری تفصیل ان ہی

کاغذات میں موجود تھی، جو تمہارے توسط سے مجھ تک پہونچے ہیں "
"کتنی عجیب بات ہے" پروفیسر کراہا۔
"ہے نا عجیب بات کہ تمہیں تو علم نہیں تھا کہ وہ کاغذات کیسے ہیں لیکن دوسرا کوئی اس حد تک جانتا تھا کہ یہاں بھی تم محفوظ نہ رہ سکے"
"جنرل کو اس کا علم ہونا چاہئے کہ اُن کے محکمے میں کیا ہو رہا ہے"
"بہت پہلے ہو چکا ہے۔ ورنہ کاغذات سے کہہ تم نہ آتے، میرا ہی کوئی آدمی تمہارے ملک میں جنرل سے وصول کر لیتا"
"اوہ۔ ۔ ۔ تو کیا ـــ"
"زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں، ورنہ زخم مزید خون اگلنے لگے گا۔!" عمران نرم لہجے میں بولا۔
ٹھیک اُسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔
"بہت احتیاط سے" پروفیسر آہستہ سے بولا۔
عمران دروازے کے قریب آیا تھا۔ بائیں جانب دیوار سے لگ کر کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے پوچھا تھا "کون ہے ؟"
"دروازہ کھولو" باہر سے گونجیلی سی آواز آئی تھی "ہم پروفیسر کی خیریت دریافت کرنے آئے ہیں"
"دروازہ کھول دیجئے" اس بار نسوانی آواز تھی۔ اور یہ خانزادی جمیلہ کی بیٹی ہی کی آواز ہو سکتی تھی۔
عمران نے دروازہ کھول دیا۔ لڑکی کے پیچھے دو مسلح آدمی کھڑے ہوئے نظر آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔
"یہ دونوں آپ لوگوں کی حفاظت کریں گے" لڑکی نے کہا "کیا میں

پروفیسر کو دیکھ سکتی ہوں۔"

"ضرور۔ ضرور۔!" عمران پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ لڑکی نے اُن دونوں سے کہا "تم میں سے ایک دروازے پر ٹھہرے گا اور دوسرا مکان کے گرد چکر لگاتا رہے گا۔"

پھر وہ عمران کے ساتھ پروفیسر کے کمرے میں آئی تھی۔

"پروفیسر!" اس نے اُسے مخاطب کیا۔

"اوہ۔ بے بی۔!" اُس نے آنکھیں کھول کر اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"میں دراصل اس لئے آئی ہوں کہ آپ کو شمدار کے ہسپتال لے چلوں۔ باہر جیپ موجود ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں!"

"ضرورت ہے پروفیسر۔ بات پھیل گئی ہے۔ شمدار کے پولیس اسٹیشن پر بھی اطلاع دینی پڑے گی ورنہ پوری بستی دشواریوں میں مبتلا ہو جائے گی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں پولیس والوں کو۔"

عمران نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی "پولیس والوں کو فلسفے سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

عمران سختی سے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"لل۔ لیکن میں اِسے مناسب نہیں سمجھتا" پروفیسر بولا۔

"یہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں پروفیسر! پولیس والوں کو فلسفے سے کوئی دلچسپی نہیں" عمران بولا۔

"تو پھر... تو پھر...؟"

"ہمیں شمدار چلنا پڑے گا۔"

لڑکی کی اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آئے تھے پھر خود کو سنبھال

لیا تھا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔" لڑکی بولی۔

"میں آپ کا بیحد شکر گذار ہوں۔"

"میرا فرض ہے ـــ اور پھر آپ کے اِن شاگرد کی باتیں سننے اور جھنجھلانے کو جی چاہتا ہے۔"

"کیوں؟ یہ میں کیا سُن رہا ہوں ـــ عبدالمنان!"

"آہا ـــ تو ان کا نام عبدالمنان ہے۔"

"ناموں میں کیا رکھا ہے۔ اگر جی ہوا ہوا میں پیدا ہوتا تو نام "محمد بیماری" ہوتا ـ!"

"خیر تو اب جلدی کیجئے۔" لڑکی نے کہا اور صدر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ کے اسلحہ کا کیا ہوگا؟" پروفیسر نے آہستہ سے پوچھا۔

"سارا گھر پر تو نہیں ہے کچھ پہلے ہی باہر ایک مناسب جگہ پر چھپا دیا تھا لہذا ہماری عدم موجودگی میں اگر گھر کی تلاشی بھی لی گئی تو ـــ تو کوئی پرواہ نہیں!"

"سوال تو یہ ہے کہ ہم اس طرح پھنس جائیں گے۔"

"فکر نہ کرو۔" عمران آہستہ سے بولا۔ "شمدار یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"چھ سات میل کے فاصلے پر ـ!"

"راستے میں کہیں انھیں جُل دے کر کسی طرف نکل چلیں گے ـــ پولیس اسٹیشن پہونچنا قطعی مناسب نہ ہوگا۔ حملہ آور نے شاید دیدہ و دانستہ ایسے زاویئے سے فائر کیا تھا کہ تم بس معمولی طور پر زخمی ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے اُسے یہ بھی معلوم رہا ہو کہ بستی کے دو افراد ہمارے گھر پر موجود ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"بستی میں ہنگامہ کرنے کی بجائے کیوں نہ ہم شمدار کے راستے میں ٹھیرنا چاہتے ہیں۔"

"یعنی اسی لئے مجھے صرف معمولی سا زخمی کیا ہے کہ ہم شمدار کی طرف روانہ ہو جائیں"

"باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ تیار ہو جاؤ اور ہو سکے تو لڑکی کو ساتھ چلنے سے باز رکھو۔ دو مسلح آدمی اور جیپ ہی کافی ہے"

"میں کوشش کروں گا۔ آپ اُسے نہیں جانتے وہ بہت ضدی لڑکی ہے۔ اس کی ماں نے بھی اُسے روکنے کی کوشش کی ہو گی"

عمران کچھ نہ بولا۔ پروفیسر روانگی کی تیاری کرنے لگا تھا۔ عمران نے دونوں سوٹ کیس اٹھائے۔

مکان کو مقفل کر کے وہ جیپ کے قریب پہونچے۔ دونوں مسلح آدمی اگلی سیٹ پر تھے۔ لڑکی پچھلی سیٹ پر ایک کنارے بیٹھی نظر آئی۔

روانگی سے قبل پروفیسر نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اُسے اُن کے ساتھ نہ جانا چاہئے لیکن وہ نہیں مانی تھی۔

جیپ چل پڑی۔ مسلح آدمیوں میں سے ایک ڈرائیو کر رہا تھا۔ عمران نے کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ سوچ رہی تھی۔

●

موٹر سائیکل تیز رفتاری سے پہاڑی سڑک پر اُڑی جا رہی تھی۔ سوار کو نہ خطرناک ڈھلانوں کی پرواہ معلوم ہوتی تھی اور نہ دشوار گذار چڑھائیوں کی ـــــ ایک جگہ وہ سڑک کے نیچے اتری تھی اور ایک پتلے سے درّے میں گھستی چلی گئی تھی۔ یہاں سوار نے ہیڈ لیمپ روشن کر دیا تھا۔ پہیوں کے نیچے ایسی ہی سطح زمین تھی جیسے اُسے دست انسانی نے ہموار کیا ہو۔

ذرا دیر بعد وہ پھر کھلے میں نکل آئی تھی اور پھر ایک جگہ رک ہی گئی اور اس کا انجن بند کر دیا گیا۔

بائیں جانب کی ایک چٹان کی دراڑ سے کسی نے سر نکال کر سائیکل سوار کو آواز دی تھی۔ موٹر سائیکل سوار ہاتھ ہلا کر چیخا۔ "سب کچھ توقعات کے مطابق ہوا ہے۔ وہ شمدار کی طرف جا رہے ہیں۔ خانزادی اپنے دو سپاہیوں کے ساتھ انھیں سے جا رہی ہے۔"

دوسرا آدمی دراڑ سے نکل کر سائیکل سوار کی طرف چل پڑا تھا۔ قریب پہنچ کر اُس نے کہا۔ "تم نے بہت بُری خبر سنائی۔ خانزادی کو اُن کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے تھا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ہم سے یہی کہا گیا تھا کہ بستی میں سنسنی پھیلائے بغیر اُن دونوں کو قابو میں کر لیں۔ مار ڈالنے کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔"

"بستی والے پروفیسر دارا کے ہمدرد ہیں۔" سائیکل سوار برے لہجے میں بولا۔

"خیر چلو۔ مجھے دیکھنا پڑے گا کہیں وہ لوگ بستی کے اُن تینوں افراد پر بھی تشدد نہ کر بیٹھیں۔"

وہ موٹر سائیکل کے کیریر پر بیٹھ گیا تھا اور موٹر سائیکل دوبارہ اسٹارٹ ہوئی تھی اور جس راستے سے آئی تھی اُسی راستے سے واپس ہوئی۔ سڑک پر پہنچ کر دوسرے آدمی نے کہا۔ "جتنی تیز رفتاری سے چل سکتے ہو چلو۔"

قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ایسی جگہ پہنچے تھے، جہاں تین گاڑیوں نے سڑک گھیر رکھی تھی۔۔۔ اُنھیں رکنا پڑا۔

آٹھ مسلح افراد سڑک پر ایک جیپ کو گھیرے کھڑے تھے۔ اس

جیپ پر انھیں تین افراد نظر آئے۔ ایک لڑکی تھی اور دو باوردی سپاہی۔ وردی نجی تھی، سرکاری نہیں۔

نیچے کھڑے ہوئے آٹھوں مسلح آدمیوں میں سے ایک تیز لہجے میں بولے جارہا تھا۔

دفعتاً جیپ پر بیٹھی ہوئی لڑکی چیخی "خاموش ہو جاؤ، ورنہ میرے سپاہی یہ نہیں دیکھیں گے کہ تم آٹھ ہو"

"آٹھ نہیں ـــ دس کہیئے خانزادی" موٹر سائیکل پر آنے والے دوسرے آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

اُن آٹھوں نے مودبانہ انداز میں اسے راستہ دیا تھا۔

"آپ سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے خانزادی ـــ"

"میں نہیں جانتی تم کون ہو" خانزادی نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں تو آپ کو جانتا ہوں ـــ وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"مجھے خوشی ہے کہ تمھارے یہاں پہونچنے سے پہلے ہی فرار ہو گئے"

"اس گاڑی پر ہمیں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ملا" آٹھوں مسلح آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے" موٹر سائیکل سوار بول پڑا "میرے سامنے ہی روانہ ہوئے تھے"

"دو کے لئے دس آدمی۔ یہ کیسی بزدلی ہے" خانزادی نے نفرت سے کہا۔

"آخر وہ گئے کہاں؟"

"میں نہیں جانتی"

"یہ تو آپ کو بتانا ہی پڑے گا"

"ناممکن"

"ہمیں تشدد پر مجبور نہ کیجئے۔ آپ کے یہ دونوں آدمی لمحے بھر کی بات ہیں"

خان زادی فوراً ہی کچھ نہ بولی۔ اب وہ کسی قدر فکر مند نظر آنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے ایک سپاہی سے کہا۔ "تم چاہو تو انھیں بتا سکتے ہو کہ کیا ہوا تھا۔"

سپاہی چند لمحے انھیں گھورتا رہا تھا پھر بولا تھا۔ "یہاں پہونچ کر پروفیسر کو پیشاب کی حاجت ہوئی تھی اور اُن کا شاگرد انھیں نیچے اتارنے گیا تھا۔ جب دیر تک واپسی نہیں ہوئی تو میں انھیں دیکھنے گیا۔ لیکن اُن کا کہیں پتا نہ تھا۔ پھر ہم تینوں ہی اُنھیں تلاش کرنے لگے تھے۔ تھک ہار کر واپس آئے تو اُن کے دونوں سوٹ کیس بھی غائب تھے۔"

"اس میں کتنی سچائی ہے؟" سپاہی سے سوال کیا گیا۔ اس پر خانزادی بپھر گئی تھی اور دونوں سپاہی بھی مارنے مرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ قریب تھا کہ بیچ بچ جھگڑا شروع ہو جاتا کہ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ "بھاگو۔" کوئی چیخا۔ "دستی بم تھا۔"

اور پھر وہ سب تتّر بتّر ہو گئے۔ ان کی گاڑیاں وہیں کھڑی رہ گئی تھیں۔ موٹر سائیکل سوار اور اُس کا ساتھی بھاگ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گئے تھے۔

پھر مزید دو دھماکے ہوئے تھے اور اُن میں سے کسی کی بھی ہمت نہیں پڑی تھی کہ سڑک کی طرف رُخ بھی کر سکتا۔

اس کے بعد کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی ––– اور سائیکل سوار کے ساتھی نے کہا تھا۔ "گئے... نکل گئے... اوہ! یہ خانزادی! اب ان ہی تینوں کو تلاش کر کے چلنا پڑے گا۔ ورنہ شامت آجائے گی۔"

"میرا خیال ہے وہ تینوں اپنی جیپ پر ہی بیٹھے رہ گئے تھے۔" سائیکل سوار بولا۔

"نہیں ––– ! وہ بھی بھاگے تھے ––– میں نے دیکھا تھا۔"

آہستہ آہستہ وہ سب سڑک پر پہونچے تھے۔ دو گاڑیاں اب بھی موجود تھیں۔ موٹر سائیکل بھی نہیں ملی جہاں کھڑی کی گئی تھی۔ البتہ دونوں گاڑیوں کا ایک ایک ٹائیر بیکار کر دیا گیا تھا۔ غالباً بعد کے دونوں دھما کے ان ہی ٹائیروں کے پھٹنے سے ہوئے تھے۔

"ارے ... وہ ہماری ہی ایک گاڑی لے گئے ہیں" کوئی بولا۔

خان زادی اور اُس کے دونوں سپاہی بھی واپس آگئے تھے۔

"خان زادی صاحبہ! اب یہ کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کو اس اسکیم کا علم نہیں تھا" سائیکل سوار کے ساتھی نے کہا۔

"میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتی" اُس نے سخت لہجے میں کہا اور اپنے سپاہی سے بولی "گاڑی کا ناکارہ پہیہ بدل دو"

سائیکل سوار کے ساتھی نے اپنے آدمیوں کو کسی قسم کا اشارہ کیا اور وہ سب دونوں سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کی رائفلیں چھین لیں۔

"اور اب تم تینوں کو ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا" سائیکل سوار کا ساتھی خان زادی کی طرف دیکھ کر بولا "یہی میں نہیں چاہتا تھا۔ اگر وہ دونوں ہاتھ آجاتے تو ہمیں تم سے کوئی سروکار نہ ہوتا ــــ!"

خان زادی کچھ نہ بولی۔

●

"یہ اچھا نہیں ہوا ــ!" پروفیسر نے کہا۔ لیکن عمران کچھ نہ بولا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیرنگ کرتا رہا۔ گاڑی بہت تیز رفتاری سے

راستہ طے کر رہی تھی۔

"پھر گاڑی ہی لائی تھی تو خان زادی کی لاتے۔"

"یار مت کان چاٹو ——" عمران بالآخر بولا۔ "گاڑی ہی سے تو ہم پتا لگا سکیں گے کہ حملہ آور کون تھے اور مجھے کس سے نپٹنا ہے۔"

"پتا نہیں اُنھوں نے خان زادی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو۔"

"کون خان زادی —— !"

"ارے —— ارے !"

"تم اب اُدھر جانے کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ تمہارا وہ ٹھکانہ ختم ہو چکا اس لئے اب تم کسی خانزادی کو بھی نہیں جانتے —— اپنے کام سے کام رکھو۔"

پروفیسر نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا۔ "آپ مشورہ دو کہ ہم فی الحال کہاں چلیں۔"

"شمدار ہیں رکنا تو مناسب نہ ہوگا۔"

"فیول انڈیکیٹر پر نظر رکھ کر جگہ کا تعین جلد سے جلد کر لو۔ ہو سکتا ہے وہ ہمارا تعاقب جاری رکھیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔" پروفیسر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"دیکھا جائے گا۔"

"آخر یہ دستی بم کہاں سے نکل آیا۔ آپ نے تو کہا تھا کہ اسلحہ آپ نے کہیں مکان کے قریب چھپا دیا ہے۔"

"سب نہیں —— کچھ ان دونوں سوٹ کیسوں میں بھی موجود رہے۔"

"ویسے مجھے اعتراف ہے کہ آپ بیحد پھرتیلے ہیں۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے اور آپ کے اندازے بھی غلط نہیں ہوتے۔"

"سلیمانی تعویذ باندھ رکھا ہے بازو پر۔ سب اُسی کی برکت ہے۔"

پروفیسر نے اُسے غور سے دیکھا تھا۔ کچھ بولا نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "شمدار سے آگے ایک سرائے ہے۔ لیکن اس گاڑی کی وجہ سے ہم کہیں بھی چھپے نہ رہ سکیں گے۔ ایک موٹر سائیکل بھی تو تھی شاید۔ ہمارے لئے تو وہی مناسب رہتی۔"

"اور یہ وزنی سوٹ کیس شاید ہم اپنے سروں پر اُٹھاتے۔" عمران بولا۔

"سوٹ کیس اتنے وزنی کیوں ہیں۔"

"تم اتنے زیادہ زخمی بھی نہیں ہو کہ بچّوں کی سی باتیں کرنے لگو۔ سوٹ کیسوں میں کس چیز کا وزن ہو سکتا ہے۔"

"سارا اسلحہ!"

"بس اب ختم بھی کرو ۔۔۔ ایسی جگہ سوچو جہاں گاڑی سمیت چھپے رہ سکیں۔"

"مجھے ایسی جگہیں بھی معلوم ہیں۔ لیکن وہاں ہم بھوک مر جائیں گے۔"

"اچھا تو شاید تم گولی کھا کر مرنا چاہتے ہو۔ عقلمند آدمی فی الحال ہمیں فوری طور پر ایسی کوئی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جہاں کچھ وقت گذارنے کے بعد ہم آگے بڑھیں گے۔"

"بس تو پھر کچھ دور اور چلئے ۔۔۔ ان اطراف میں ایک ایسی جگہ کا علم ہے مجھے لیکن اس کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ہمیں وہاں تلاش نہ کر لیں گے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو ... اسے میں دیکھ لوں گا۔"

پھر خاموشی سے راستہ طے ہوتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پروفیسر کی ہدایت کے مطابق عمران نے گاڑی ایک ناہموار راستے پر اُتار دی تھی اور اپنی ڈرائیونگ کی مشاقی کے مظاہرے کرتا ہوا آخر ایسی جگہ گاڑی روک لی تھی۔

جو سڑک سے کافی فاصلے پر ہونے کی بناء پر محفوظ تھی۔ یعنی گاڑی کے سڑک پر سے دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے!" عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں جلد ہی کوئی ایسی جگہ تلاش کر لوں گا جہاں سے سڑک پر بھی نظر رکھی جا سکے۔"

گاڑی سے اتر کر اس نے وقت نہیں ضائع کیا تھا۔ سوٹ کیس سے ٹامی گن نکالی تھی اور ایک چٹان پر چڑھتا چلا گیا۔ پروفیسر جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ اسے تو ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے کوئی بندر اس اعتماد کے ساتھ چھلانگیں مارتا ہوا چٹان پر چڑھتا جا رہا ہو کہ وہ ہر حال میں اپنا توازن برقرار ہی رکھے گا۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر پہونچ گیا اور وہاں سے ہاتھ ہلا کر شائد اُسے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

پندرہ بیس منٹ گذر گئے لیکن اس کی واپسی نہ ہوئی۔ پروفیسر کے شانے کی تکلیف بڑھ رہی تھی لیکن وہ پرسکون رہنے کی کوشش میں لگا رہا۔

ٹھیک پچیس منٹ بعد اس نے عمران کو واپس آتے دیکھا۔

"دونوں گاڑیاں شمدارہی کی طرف گئی ہیں۔" اس نے قریب پہونچ کر کہا۔

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"کچھ دیر بعد بتاؤں گا۔ تم ادھر لیٹ جاؤ۔۔۔ لیکن ٹھہرو۔۔۔ مجھے موٹر سائیکل کا تو دھیان ہی نہیں رہا تھا۔"

"اوہو۔۔۔!" پروفیسر بوکھلا کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "موٹر سائیکل خطرناک ثابت ہو سکتی ہے مسٹر عمران۔ ہو سکتا ہے وہ جیپ ادھر لانے کی جدوجہد سے جان چرائیں۔ لیکن موٹر سائیکل تو بہ آسانی۔۔۔!"

"چلو آؤ۔۔۔ جب تک یہ خطرہ باقی ہے ہمیں اس چٹان پر قیام کرنا چاہئے۔

چاروں طرف نظر بھی رکھ سکیں گے۔"

پھر وہ اس کو کسی نہ کسی طرح اوپر چڑھا لے گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ زخم سے پھر خون رسنے لگا ہے۔" پروفیسر ہانپتا ہوا بولا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اس نے دوربین کے ذریعہ گردوپیش کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

دفعتاً کسی آواز پر اُس نے کان کھڑے کیے تھے اور دوربین آنکھوں سے ہٹا کر کچھ سُننے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

"کیا بات ہے؟" پروفیسر نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آواز — ! ہو سکتا ہے موٹر سائیکل ہی کی ہو۔ ابھی خاصی دور ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ وہاں ایک موٹر سائیکل بھی تھی۔"

اور پھر وہ آواز پروفیسر نے بھی سن لی۔ لیکن سمت کا تعین نہ کر سکا۔

"اگر ان میں سے کوئی ہاتھ آجائے تو کیا کہنا۔" عمران بولا۔

موٹر سائیکل کی آواز واضح طور پر سنائی دینے لگی تھی۔ لیکن سڑک کی جانب سے نہیں آرہی تھی۔

"وہ رہی!" دفعتاً پروفیسر نے کہا۔

لیکن وہ اُس راستے سے اس طرف نہیں آرہی تھی، جس سے وہ آئے تھے۔

عمران دائیں جانب کی ڈھلان سے نیچے اترتا چلا گیا۔ پروفیسر کی پوزیشن ایسی نہیں تھی کہ اس پر پوری طرح نظر رکھ سکتا۔ بہرحال اندازے سے یہی معلوم ہوا تھا جیسے وہ ٹھیک جیپ کے پاس آرکی ہو۔ اُسے اپنا دل کھوپڑی میں دھمکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ چوٹ کی بنا پر اس وقت جو اس کی کیفیت تھی اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی ورنہ اس سے قبل بھی ایسے حالات سے دوچار ہو چکا تھا لیکن

اتنی تشویش میں کبھی مبتلا نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت تھا۔

اچانک اس نے ٹامی گن کا قہقہہ سنا تھا اور پھر عمران کی آواز سنائی دی تھی۔ "خبردار۔۔۔! جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔۔۔!"

اس نے مقامی زبان استعمال کی تھی اور لہجے میں بھی اجنبیت نہیں تھی۔

تو اس کی خواہش کے مطابق ان میں سے کوئی ہاتھ لگ ہی گیا۔ پروفیسر نے سوچا۔

"زمین پر اوندھے لیٹ جاؤ۔ تمھارے ہاتھ سر پر ہونے چاہئیں۔ چلو چلو۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ ورنہ چھلنی کر دوں گا۔" پھر اُس نے پروفیسر کو آواز دی تھی۔ "آجاؤ۔۔۔ دو پرندے ہیں۔"

پُروفیسر بروقت نیچے پہونچا تھا۔ وہ دونوں زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ اور عمران نے اُنھیں ٹامی گن سے کور کر رکھا تھا۔

"ان کی جامہ تلاشی لو۔" اس نے پُروفیسر سے کہا۔

پھر ان دونوں کے پاس سے ایک چاقو اور دو ریوالور برآمد ہوئے تھے۔

"اب اٹھ بیٹھو اور بولنا شروع کر دو۔" عمران نے انھیں حکم دیا اور انھوں نے فوراً ہی تعمیل کی۔ دونوں کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُنھیں اپنی موت کی اطلاع مل گئی ہو۔

"چلو۔۔۔ شروع ہو جاؤ۔"

"ہم کچھ نہیں جانتے۔" ایک بولا۔

"کیا نہیں جانتے؟"

"نہیں جانتے کہ تم لوگ کون ہو۔ ہمیں حکم ملا تھا کہ تمھیں پکڑ کر شہباز کے بسیرے تک لے جائیں۔"

"یہ کیا بلا ہے۔ میرا مطلب ہے شہباز کا بسیرا۔"

"ایک چھوٹی سی عمارت — جو بلندا کی چوٹی پر واقع ہے۔"

"کس کے حکم سے؟"

"میجر جنرل کے حکم سے!"

"نام بتاؤ!"

"ہم صرف میجر جنرل جانتے ہیں۔ نام نہیں معلوم۔"

"وہ وہیں رہتا ہے؟"

"یہ بھی ہمیں نہیں معلوم۔"

"تم نے اُسے دیکھا ہے؟"

"ہاں — ہمیں براہِ راست احکامات ملتے ہیں۔"

"پروفیسر پر گولی کیوں چلائی گئی تھی جبکہ صرف گرفتار کرنے کا حکم تھا۔"

"میجر جنرل نہیں چاہتے تھے کہ بستی میں ہنگامہ ہو۔ اس لئے ہم تمھیں بستی سے باہر نکالنا چاہتے تھے۔ حملہ قاتلانہ نہیں تھا۔ صرف کسی قدر زخمی کرنا مقصود تھا۔"

"لڑکی کہاں ہے؟"

"وہ اپنے آدمیوں سمیت وہیں پہونچادی گئی ہے جہاں تمھیں جانا تھا۔ اگر تم ہاتھ آجاتے تو ہم اُسے وہیں چھوڑ دیتے۔"

"کیوں؟"

"ہم اتنا ہی کرتے ہیں جتنا ہم سے کہا جاتا ہے۔"

"جب لڑکی کے بارے میں تمھیں کوئی حکم نہیں ملا تھا تو اُسے ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہئے تھا۔"

"مجبوراً — آخر ہمارے بیان کی تصدیق کون کرتا۔"

عمران نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پروفیسر سے بولا۔ "بھئی — ! ان کے

ریوالور اور چاقو واپس کر دو"۔

پروفیسر نے اُسے حیرت سے دیکھا۔

"اس طرح کیا دیکھ رہے ہو" عمران ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا "کسی غلط فہمی کی بنا پر دو محکمے آپس میں ٹکرا گئے ہیں۔ تم میجر جنرل کو نہیں جانتے!"

اب وہ دونوں بھی حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اس طرح نہ دیکھو دوستو! ارے تم نے ابھی تک ان کا اسلحہ واپس نہیں کیا۔ خیر — ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ سب کچھ غلط فہمی کی بنا پر ہوا ہے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میجر جنرل کے آدمیوں سے سابقہ ہے تو ہم خود ہی چلے چلتے — میں تو یہ سمجھا تھا کہ پروفیسر کے کسی ذاتی دشمن نے ہمارے لئے یہ جال پھیلایا ہے"۔

"میں نہیں سمجھا کہ تم کیا کہہ رہے ہو" اُن میں سے ایک بولا۔

"سرکاری راز ہے" عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا "اب تم ہی بتاؤ۔ کیا میجر جنرل کے علاوہ کوئی اور بھی تمہارے پیشے سے واقف ہے"۔

"نہیں — !"

"کیا تمہیں پولیس گرفتار نہیں کر سکتی"۔

"کر سکتی ہے"۔

"حالانکہ تم بھی سرکاری آدمی ہو۔ چاہو تو اپنی اصلیت اُن پر ظاہر کر سکتے ہو لیکن محکمے کے قواعد کے مطابق تم ایسا نہیں کر سکتے"۔

"یہ بات بھی درست ہے"۔

"لہذا میں تمہیں نہیں بتا سکتا ہمارا تعلق کس محکمے سے ہے۔ بس تم ہمیں میجر جنرل کے پاس لے چلو"۔

"ٹھیک ہے!" دوسرے نے پہلے کی طرف دیکھ کر کہا "نام سے بھی تو کہا

گیا تھا کہ انھیں وہاں تک پہونچا دو۔"

پھر ذرا ہی سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ چاروں ایک دوسرے کو عرصے سے جانتے ہوں۔ پروفیسر عش عش کرتا رہ گیا۔

پھر یہ طے پایا کہ موٹر سائیکل آگے جائے گی اور جیپ پیچھے رہے گی۔ روانگی ہو گئی۔ عمران جیپ ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ دونوں قریباً سو گز کے فاصلے سے آگے جا رہے تھے۔

سڑک پر پہونچ جانے کے بعد پروفیسر نے ہونٹ کھولے تھے۔

"میری تو کچھ سمجھ ہی میں نہ آسکا۔"

"دیکھو! اب باعزت طور پر جا رہے ہیں۔"

"کیا بات ہوئی؟"

"اچھا بتاؤ۔ میں ان دونوں کا کیا کرتا۔ خواہ مخواہ بھٹکتے پھرنے سے تو زیادہ مناسب یہی معلوم ہوا کہ کسی کی رہنمائی میں وہاں تک پہونچیں۔"

"آپ حیرت انگیز طور پر حالات کا رخ موڑ دیتے ہیں۔"

"جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں ہماری اصلیت سے واقف نہیں ہیں تو میں نے اسکیم یکلخت بدل دی۔ تم دیکھ ہی رہے ہو۔"

"اگلا قدم ۔۔۔؟"

"آئندہ حالات پر منحصر ہے۔"

"یہ رویہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہم دعوتیں کھانے نہیں نکلے ہیں۔ پروفیسر صاحب!"

"آپ کو سمجھنا بے حد مشکل ہے۔"

"زخم کا کیا حال ہے۔"

"شاید دوبارہ خون رسنے لگا ہے۔"

"شمدار پہونچ کر دیکھیں گے۔ اب بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ یہی دونوں تمہاری مرہم پٹی کرائیں گے ۔۔۔ دیکھ لینا۔۔۔"

•

خان زادی یہاں پیشی کے لئے لائی گئی تھی۔ اس کے دونوں سپاہی بھی ساتھ تھے اور اس طرح سر جھکائے کھڑے تھے جیسے خان زادی کا تحفظ نہ کر سکنے کی بناء پر شرمندہ ہوں۔ ان تینوں کے علاوہ مشین پستول سے مسلح ایک آدمی اور بھی تھا۔ خان زادی کے سپاہیوں کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک قدآور آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ مسلح سپاہی نے سیلوٹ کیا تھا۔ نووارد نے قیدیوں پر اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی تھی اور سامنے والی کرسی پر جا بیٹھا تھا۔ پھر اُس نے خان زادی کی طرف اشارہ کر کے مسلح سپاہی سے کہا۔ "کرسی پیش کرو۔"

اس نے فوری طور پر تعمیل کی تھی لیکن خان زادی کھڑی ہی رہی۔ نووارد نے ہاتھ ہلا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا ۔۔۔ وہ بیٹھ گئی لیکن اُسے ایسی ہی نظروں سے دیکھے جا رہی تھی جیسے موقع ملتے ہی جھپٹ پڑے گی۔

"وہ آدمی وہاں کب سے مقیم تھا؟" نووارد نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"کون آدمی!"

"جسے تم شمدار دے جا رہی تھیں۔"

"پروفیسر دارا ۔۔۔ انھوں نے بستی میں ایک مکان خریدا تھا اور کبھی کبھی تبدیلی

کے لئے آیا کرتے ہیں۔"

"مستقل قیام کہاں ہے؟"

"پونیو دستی میں!"

"میری دانست میں وہاں کوئی ایسا معلم نہیں ہے جس کا نام دارا ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"تم لوگ ابھی تک ایک غیر ملکی جاسوس کی اعانت کرتے رہے ہو۔"

"تم کون ہو؟"

"محکمۂ کارِ خاص کا سربراہ!"

"میں خان دوداں کی بھتیجی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"محکمۂ کارِ خاص کے سربراہ کو جوابدہی کرنا پڑے گی۔ اگر وہ جاسوس بھی تھا تو اُس کی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ اسی لئے تمھیں اُس وقت تک یہاں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ ہاتھ نہیں لگ جاتا۔"

"اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرلو تو بہتر ہے۔"

"دوسرا آدمی کون تھا؟"

"میں نہیں جانتی۔ وہ پہلی بار پروفیسر کے ساتھ بستی میں آیا تھا۔ اُس کا کوئی شاگرد ہے۔"

"حلیہ بتاؤ!"

خان زادی نے عمران کا میک اپ کیا ہوا حلیہ بیان کیا تھا اور بولی تھی۔

"سوال تو یہ ہے کہ محکمۂ کارِ خاص اپنا کیوں ..... اگر ...... بستی میں پروفیسر

کو متعارف ہوئے ایک عرصہ گزر رہا ہے۔"

"اپنے کام سے کام رکھو۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ خان دوراں کی بھتیجی ہونے کی بنا پر تمھارے ساتھ کوئی رعایت کی جائے گی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گئی تھی۔

"انھیں لے جاؤ۔" نوداردنے مسلح آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"صرف ایک بات اور۔" خان زادی ہاتھ اُٹھا کر بولی۔

"کیا کہنا ہے؟"

"اگر وہ واقعی غیر ملکی جاسوس ہیں تو تم سے کہیں زیادہ چالاک معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب!"

"انھوں نے اُسے ناکام حملہ نہیں سمجھا تھا بلکہ تمھاری اس چال کو بخوبی سمجھ گئے تھے ورنہ اس طرح پیچھے دھوکہ دیکر فرار ہو جانے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔"

"خان دوراں سمیت پورے خاندان کو بھگتنا پڑے گا۔" نووارد غرّایا۔ خانزادی مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گئی۔

وہ تینوں باہر لے جائے گئے تھے اور نووارد وہیں بیٹھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی تھی اور ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"شہباز کو بلاؤ۔" اس نے اس سے کہا۔

وہ آدمی چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وزنی قدموں کی آواز سنائی دی تھی اور ایک آدمی اجازت لیکر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"بیٹھ جاؤ!" نووارد نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ جنرل۔"

"مجھے جلدی ہے۔ زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتا۔" جنرل نے کہا۔ "لڑکی اس کا اعتراف نہیں کرتی کہ وہ پروفیسر دارا کی اصلیت سے واقف ہے۔"

"تو پھر نہ ہوگی۔" شہباز اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"تم اس سے اعتراف کراؤ گے۔"

"اگر میں اسے نہ جانتا ہوتا تو ضرور کرالیتا۔" شہباز نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب ۔۔ !" جنرل کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"وہ خان دوراں کی بھتیجی ہے۔"

"میری نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"دیکھو دوست !" شہباز ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "میں نے تم سے اس لئے تعاون نہیں کیا ہے کہ تم حکومت کی آنکھوں کا تارا ہو۔ اس کی وجہ ہماری بچپن کی دوستی بنی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ میں تم سے ہر بات پر متفق ہو جاؤں گا۔ مجھ پر خان دوراں کے بہت سے احسانات ہیں۔ لہذا میں دوغلا کتا کہلایا جانا پسند نہ کروں گا۔"

میجر جنرل اسے خاموشی سے گھورتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "خیر اسی دوستی کی بنا پر میں تم پر جبر نہیں کرونگا' ورنہ تم جانتے ہی ہو کہ میں کتنا با اختیار ہوں۔"

"ہاں ۔ ہاں ۔۔ میں جانتا ہوں۔"

"لڑکی اور اُس کے دونوں آدمی یہیں رہیں گے۔" جنرل نے کہا۔

"مہمانوں کی حیثیت سے . . . !"

"ہوں ۔ اچھا ۔ !" جنرل اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے اُن دونوں کی فکر ہے۔"

شہباز کچھ نہیں بولا تھا۔ جنرل باہر چلا گیا۔

شہباز وہیں بیٹھا رہا۔ آنکھوں کی بناوٹ سے دلیر اور بیباک معلوم ہوتا تھا۔ اعضاء مضبوط تھے۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ جنرل ہی کی طرح قد آور تھا۔

جبڑے بھاری اور ہونٹ پتلے تھے۔

وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا تھا پھر اُٹھ گیا تھا۔ اس عمارت سے نکل کر مغرب کی سمت والی ڈھلان میں اترنے لگا۔ ایک چکردار راستہ اسے دوسری عمارت تک لایا اور اسی عمارت میں اس کی ملاقات خانزادی سے ہوئی۔ اُس کا غصہ فرو ہو چکا تھا۔ شاید جنرل سے گفتگو کر لینے کے بعد ہی یہ کیفیت ہوئی تھی۔ تیکھے خدوخال میں تفکر آمیز سنجیدگی کی جھلکیاں نظر آنے لگی تھیں۔

"مجھے بیحد افسوس ہے بیٹی"۔ شہباز بالآخر بولا۔

"آپ کون ہیں؟"

"ہو سکتا ہے تم نے میرا نام سنا ہو"۔

"آپ بلندا کے خان شہباز تو نہیں ہیں"۔

"تمھارا خیال درست ہے"۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ بستی والوں کو علم نہیں تھا کہ پروفیسر کون ہے"۔

"مجھے یقین ہے!"

"تو پھر آخر مجھے یہاں روکے رکھنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے"۔

"میں بھی نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔ لیکن مجبوری۔ حالات بدل چکے ہیں۔ میں اپنے علاقے میں اتنا با اختیار بھی نہیں رہا کہ ان لوگوں سے اختلاف رائے کر سکوں لیکن میں نے یہ بات جنرل سے کھل کر کہدی ہے کہ خان دوراں کی بھتیجی اور اس کے ملازم یہاں معزز مہمانوں کی حیثیت سے رہیں گے"۔

"شکریہ خان!"

"خان دوراں میرے بزرگ ہیں۔ مجھ سے زیادہ با حیثیت ہیں لیکن اب میری ہی طرح مجبور ہیں پھر آپ کچھ برداشت کر رہے ہیں۔ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے میں اُس سے

بھی متفق نہیں۔"

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"بُلند اکھرا ایک پڑوسی ملک کے خلاف کارروائیوں کا مرکز بنایا گیا ہے۔ وہاں کے مفروروں کو بُلند ایں پناہ دی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ اُس بڑی طاقت کے اشارے پہ ہو رہا ہے جس کی مدد سے یہ لوگ برسرِ اقتدار آئے ہیں۔"

"تو پروفیسر دارا اُسی ملک کا جاسوس ہے جس کے خلاف یہاں کارروائیاں ہو رہی ہیں۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"دفعتاً ایک ملازم اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔؟"

"جنرل کے دو آدمی باریابی چاہتے ہیں۔" انھوں نے کہا ہے ہم وہ ہیں جو پیچھے رہ گئے تھے۔"

"اوہ... اچھا ـــ!" شہباز اٹھتا ہوا بولا۔

وہ اُس کمرے میں آیا تھا۔ جہاں دونوں بٹھائے گئے تھے۔ شہباز کو دیکھ کر وہ اُٹھ گئے۔

"کیا بات ہے؟" شہباز نے پوچھا۔

"وہ دونوں آ گئے ہیں جناب۔" ایک بولا۔

"جنرل تو موجود نہیں۔" شہباز بولا۔ "وہ دونوں کہاں ہیں۔"

"ہم انھیں بسیرے میں چھوڑ آئے ہیں۔ دراصل یہ سب کچھ غلط فہمی کی بنا پہ ہوا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جب انھیں معاملات کا علم ہوا تو خود ہی ہمارے ساتھ چلے آئے ہیں۔ وہ دونوں بھی حکومت کے کسی خفیہ شعبے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"کمال ہے!" شہباز اٹھتا ہوا بولا۔ "چلو ـــ میں دیکھتا ہوں۔"

ایک بار پھر وہ اُسی عمارت کی طرف جا رہا تھا جہاں جنرل سے گفتگو ہوئی تھی۔ جنرل کے دونوں آدمی اس کے ساتھ تھے لیکن عمارت میں پہنچ کر جنرل کے آدمی متحیّر رہ گئے۔

اُن دونوں کا کہیں پتا نہ تھا۔ یہ عمارت مختصر ہی سی تھی اس لئے آن کی آن میں کھنگال ڈالی گئی ـــ لیکن لاحاصل ـــ

"اوہ ـــ!" شہباز مٹھیاں بھینچ کر غرّایا۔ "بالآخر تم لوگ خود ہی اُنھیں یہاں لے آئے۔ ان اطراف کے غاروں اور دروں کو چھان ڈالنے کیلئے تمھاری آدھی فوج بھی ناکافی ہوگی۔"

وہ دونوں خاموش کھڑے تھے۔

"جنرل تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ہمیں بچا لیجئے خان!" دونوں گھگھیائے۔

"میں کیا کر سکتا ہوں!"

"جنرل نہیں سمجھیں گے لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں۔ ہم دونوں ان کے قابو میں تھے۔ چاہتے تو مار ڈالتے ـــ لیکن جب اُنھیں اصلیت کا علم ہوا تو اُنھوں نے ہمارے ریوالور واپس کر دیئے اور خود ہی تیار ہو گئے ہمارے ساتھ چلنے پر۔ ایسے حالات میں زیرک ترین آدمی بھی دھوکا کھا سکتا ہے۔"

شہباز کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ انھیں اُس عمارت کی طرف لے چلا تھا' جہاں سے کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اُس کے ساتھ چلنے لگے تھے۔ اُن کے چہروں سے ظاہر ہونے والی سراسیمگی بڑی حد تک کم ہو گئی تھی۔

لیکن ان کی خوش فہمی اس عمارت میں پہنچتے ہی دور ہو گئی تھی۔

شہباز نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ انھیں پکڑ کر بند کر دیں اور تا حکمِ ثانی بند ہی رکھیں۔

"خان... خان — !" دونوں گھگھیائے۔
"میں کچھ نہیں کر سکتا" شہباز بولا۔

●

"لو میاں پروفیسر دارا" عمران دونوں سوٹ کیس ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔ "فی الحال یہیں ڈیرہ ڈال دو۔ اگر اس دہانے سے کوئی غار میں داخل ہوا تو ہم اس دوسرے سے باہر نکل جائیں گے۔"
"اب تو زبان ہلانے کی بھی تاب نہیں رہی۔"
"لیٹ جاؤ اور آہستہ آہستہ سانسیں لینے کی کوشش کرو۔"
"اگر وہ شکاری کتے کے ادھر آ گئے تو دشواری ہوگی" پروفیسر بولا۔
"دیکھا جائے گا۔"
"لیکن کھائیں گے کیا۔"
"خشکی کے مینڈک اور چھپکلیاں... وٹامنز اور غذائیت سے بھرپور مونگ کی دال سے تو بہر حال بہتر ہوں گے۔"
"قے ہو جائے گی مجھے — ایسی باتیں نہ کیجئے۔"
"تو پھر پتھر چبانا —"
وہ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا۔ "اچھا دوست! اب ہمیں اپنے حلئے تبدیل کر لینے چاہئیں۔"
پروفیسر بدستور خاموش رہا۔ عمران نے اُسی سے ابتدا کی۔ گھنی ڈاڑھی اور مونچھوں میں اس کے چہرے کے امتیازی نشانات چھپا دیئے اور اس کے لئے

تو ریڈی میڈ میک اپ موجود ہی تھا۔ پھولی ہوئی بدنما ناک اور گھنی مونچھوں والا میک اپ۔
"اور اب تم آرام کرو ـــ میں ذرا گردوپیش کا جائزہ لوں گا۔ پوری طرح ہوشیار رہنا ـــ"

"زخم کی تکلیف مجھے سونے نہیں دے گی۔ مطمئن رہیئے۔"

عمران ایک پتلی سی دراڑ میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ایجنٹ ہفتم الف نے طویل سانس لی تھی اور خود بھی اُسی دراڑ کے قریب آ بیٹھا تھا۔ آنکھیں غار کے اس دہانے کی طرف لگی ہوئی تھیں جس سے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عمران ـــ یہ خود سر آدمی کس طرح حالات کا مقابلہ کر سکے گا۔ ادھر صرف دو افراد تھے اور اُدھر شاید پوری فوج ہو۔ دیدہ و دانستہ موت کے منہ میں چھلانگ لگا دینا شاید اسی کو کہتے ہیں۔

قریباً آدھا گھنٹہ گذر گیا لیکن عمران کی واپسی نہ ہوئی۔ ریوالور اس نے گود میں رکھ لیا تھا اور اس کے دستے کے گرد انگلیوں کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔ اچانک اس نے قدموں کی چاپ سنی اور اچھل کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔ اب نہ وہ دراڑ کی طرف سے دیکھا جا سکتا اور نہ غار کے دہانے کی طرف سے ـــ قدموں کی چاپ کسی قدر فاصلے پر تھم گئی اور وہ پوری طرح تیار ہو گیا۔ خود سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا ورنہ آواز کی طرف کبھی کا فائر کر چکا ہوتا۔

"کہاں ہو؟" یہ عمران کی آواز تھی۔ "کہیں فائر نہ کر بیٹھنا۔"

اس نے طویل سانس لی اور پتھر کی اوٹ سے نکل آیا۔ عمران بھیڑ کا ایک بچہ اُٹھائے ہوئے سامنے ہی کھڑا نظر آیا۔

"مینڈک تو ادھر دکھائی ہی نہیں دیتے۔ تم خوش قسمت ہو۔" عمران بولا۔

"یہ کہاں سے ہاتھ لگا؟"

"تھوڑے ہی فاصلے پر ایک چھوٹی سی چراگاہ ہے۔ وہیں سے پار کر لایا ہوں — پار کر لانے پر تمھیں کوئی اعتراض تو نہیں۔ صورت سے سعادت مند معلوم ہوتے ہو۔ ہو سکتا ہے۔ والدین کی نصیحتیں اب تک یاد ہوں۔"

"مجبوری ہر چیز کا جواز پیدا کر دیتی ہے۔"

"میں نے بھی اسے کسی حد تک جائز ہی کر لیا ہے۔ ایک بھیڑ کے گلے میں کچھ رقم باندھ آیا ہوں۔"

●

وہ دونوں سر جھکائے کھڑے تھے اور شہباز ان کی کہانی دہرا رہا تھا۔ جنرل کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی تھی لیکن وہ روداد کے اختتام تک خاموش رہا تھا۔

"شہباز چپ ہوا تو اُس نے نرم لہجے میں کہا۔" بے چارے۔"

دونوں نے سر اٹھا کر جنرل کی طرف حیرت سے دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ اُن کے سر پھر جھک گئے اور جنرل بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ان بیچاروں کو حالات کا علم ہوتا تو ایسی غلطی نہ کرتے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔ شہباز نے کہا۔

"جاؤ — تم دونوں باہر میرا انتظار کرو!" جنرل اُن کی طرف دیکھے بغیر بولا اور وہ کسی قدر خم ہو کر دروازے کی طرف مڑ گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد جنرل نے شہباز سے پوچھا "لڑکی سے کچھ معلوم ہوا۔"

"مجھے یقین ہے کہ بستی والے پروفیسر کی اصلیت سے لاعلم ہیں — اور خان دوراں کا گھرانا بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ورنہ یہ لوگ اسکی جرأت نہ کرتے۔"

"ہو سکتا ہے۔" جنرل نے پُر تفکر انداز میں سر کو جنبش دی اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "اور اب وہ دونوں آس پاس ہی کہیں موجود ہوں گے۔ پوری طرح ہماری مخبری ہوئی ہے۔ تم ذرا اس طرف سے محتاط رہنا۔"

"اگر میں ان پہاڑوں کی بناوٹ سے واقف نہ ہوتا تو۔۔"

"مجھے علم ہے کہ سارے کے سارے اندر سے کھوکھلے ہیں۔" جنرل نے اسے جملہ پورا کرنے کی زحمت سے بچا لیا۔

"ایسی صورت میں یہی کر سکتا ہوں کہ اپنی عمارت کے گرد پہرہ سخت کر دوں۔" شہباز نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"لڑکی اور اس کے ملازم کو واپس ہی بھیج دیتے تو بہتر تھا۔"

"ابھی ٹھہرو۔ اپنی رپورٹ مکمل کئے بغیر ایسا نہ کر سکوں گا۔ اُن سے مزید پوچھ گچھ کرنی ہے۔ اور آج رات بھر میں تمہارے کھوکھلے پہاڑ کھنگال ڈالے جائیں گے۔ تم مطمئن رہو۔"

"ایسی کوئی صورت پیدا ہو سکے تو کیا کہنا۔"

"نپولین ہی کی طرح میری ڈکشنری میں بھی لفظ "ناممکن" نہیں پایا جاتا۔"

"تم بچپن ہی سے ایسے ہو۔" شہباز مسکرا کر بولا۔

"اچھا اب میں چلوں گا۔ اندھیرا پھیل رہا ہے۔ فوراً ہی واپس بھی آنا ہے۔" وہ باہر نکلا تھا۔ اور اپنے اُن دونوں آدمیوں کو آواز دی تھی، جو پھاٹک پر اس کے منتظر تھے۔

وہ دوڑتے ہوئے آئے اور جنرل نے کہا۔ "جیپ پر بیٹھ جاؤ۔"

انھوں نے چپ چاپ تعمیل کی۔ اور پچھلی سیٹ پر جا بیٹھے تھے جنرل

اپنی جیپ زیادہ تر خود ہی ڈرائیو کرتا تھا۔

پوری طرح اندھیرا پھیل گیا تھا اور جیپ کے ہیڈ لیمپ ایسے میں کچھ زیادہ ہی روشن معلوم ہوتے تھے۔

"دوسرے آدمی کا حُلیہ بتاؤ۔ وہ جس کے اُوپری ہونٹ پر تل نہیں تھا" جنرل نے اونچی آواز میں کہا۔

"فرنچ کٹ ڈاڑھی، باریک مونچھیں۔ چہرے پر کوئی امتیازی نشان نہیں ہے۔"

جیپ تیزی سے آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

جنرل تھوڑی دیر بعد پھر بولا "بہر حال تم سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ تم میں سے ایک کو ان کے پاس موجود رہنا چاہئے تھا۔ انھیں تنہا چھوڑ کر تم خان شہباز کو اطلاع دینے کیوں گئے تھے۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہو۔"

"ہمیں تسلیم ہے جناب۔!" ایک بولا۔

"تم جانتے ہو کہ جرم ثابت ہو جانے پر سزا ضرور دیتا ہوں۔ تمھارا جرم فرائض کی صحیح طور پر ادائیگی سے غفلت ہے۔"

وہ پھر کچھ نہ بولے۔

جنرل نے جیپ روک دی تھی لیکن انجن بند نہیں کیا تھا۔

"تم دونوں نیچے اُتر کر جیپ کے آگے دوڑتے ہوئے چلو گے۔ یہی تمھاری سزا ہے۔" اس نے کہا۔ "اور اس طرح دوڑو کہ شانہ سے شانہ ملا رہے۔"

وہ دونوں چپ چاپ اُتر کر جیپ کے آگے جا کھڑے ہوئے۔

"پوری قوت سے دوڑو۔!" جنرل گونجیلی آواز میں بولا۔

دونوں شانے سے شانہ ملائے ہوئے دوڑ پڑے۔ جیپ بھی حرکت میں آئی اور اُن سے صرف تین چار قدم کے فاصلے سے چلتی رہی۔ دونوں بے تحاشہ دوڑے جارہے تھے۔ شانے سے شانہ ملائے رکھنے کی جدوجہد میں کبھی کبھی لڑکھڑاتے بھی تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جیپ کی رفتار یکساں ہی رہے گی۔ لہٰذا انھیں دوڑتے ہی رہنا ہے اس طرح دوڑتے رہنا ہے کہ ان کے اور جیپ کے درمیان کسی قدر فاصلہ برقرار رہے۔ دوسری صورت میں جیپ ہرگز نہیں رکے گی۔

چاروں طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور ان دونوں کو اس گھور اندھیرے میں جیپ کے ہیڈ لیمپ وادی اجل کا راستہ دکھا رہے تھے۔

وہ دوڑتے رہے... دوڑتے رہے — اور بالآخر شانے سے شانہ ملائے رکھنے کی جدوجہد کرتے ہوئے ایک جگہ بیک وقت لڑکھڑائے اور جیپ کے سامنے ڈھیر ہوگئے — سیاہ اور بے حس پہیئے انھیں کچلتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے تھے — جنرل کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ آنکھیں ونڈ شیلڈ پر اس طرح جمی ہوئی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

شاید تین یا چار فرلانگ گاڑی گئی ہوگی کہ ہیڈ لیمپس کی روشنی ایک نیم برہنہ آدمی پر پڑی جو چیختا ہوا اسی طرف دوڑا آرہا تھا۔ جنرل نے بریک لگائے۔

"بچاؤ... بچاؤ — مار ڈالیں گے — مار ڈالا —" نیم برہنہ آدمی چیخ رہا تھا۔ — اس کے جسم پر ایک میلی سی جانگھیا تھی۔

"ٹھہر جاؤ — !" جنرل نے گونجیلی آواز میں حکم دیا۔

اور پھر وہ نیم برہنہ آدمی جیپ کے آگے آگرا تھا۔ اُس کے داہنے بازو پر ایک لمبی سی خراش تھی جس سے خون بہہ رہا تھا۔

"تم کون ہو — سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

"اب مجھ میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں ہے جناب۔" وہ ہانپتا ہوا بولا اور زور زور سے کھانسنے لگا۔

"اچھا... اچھا... کیا بات ہے۔" دفعتاً جنرل کا لہجہ نرم ہو گیا۔

"اُنھوں نے مجھے لوٹ لیا۔ میرے کپڑے اُتار لئے۔ سائیکل چھین لے گئے۔"

"کون تھے؟"

"دو آدمی تھے جناب! اندھیرے میں شکل نہیں دیکھ سکا۔ چاقو مارا تھا۔"

"کہاں؟ کس جگہ!"

"یہ دیکھئے۔!" اُس نے بازو کی خراش سامنے کر دی۔

"میں نے پوچھا تھا۔ انھوں نے تمھیں کس جگہ گھیرا تھا۔"

"اُدھر۔" اس نے اسی طرف ہاتھ اٹھا دیا جس طرف سے بھاگتا ہوا آیا تھا۔

"چلو... گاڑی میں بیٹھ جاؤ... جلدی کرو۔" جنرل نے اسے بیدردی سے گھسیٹ کر اٹھایا تھا اور جیپ کی طرف کھینچ لے گیا تھا۔ اگلی سیٹ پر اپنے قریب ہی بٹھا لیا اور جیپ پھر چل پڑی۔

"تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

"کرماد سے حضور۔ شنجاد نہ جا رہا تھا۔ وہیں رہتا ہوں۔ کرماد سے آٹا اور پنیر لایا تھا۔ کیریر پر بندھا ہوا تھا۔ سب لے گئے۔ کپڑے تک اُتروا لئے۔"

"لہجے سے غیر ملکی معلوم ہوتے تھے؟" جنرل نے پوچھا۔

"اتنا ہوش کہاں ہے حضور... اُوہ... دیکھئے... یہیں حملہ کیا تھا۔ میری ٹوپی... وہ رہی... بائیں طرف!"

جنرل نے گاڑی روک دی اور اُترہی رہا تھا کہ اجنبی بول پڑا۔ "حضور ان کے پاس پستول بھی تھے۔"

"اچھا نہیں ہوا کہ تم نے اُن کی شکلیں نہیں دیکھیں۔"

"اندھیرا تھا حضور!"

"تو پھر پستول کیسے دیکھ لئے تھے۔"

"ارے پستول تو میری گردن پر تھا ــــ سینے پر تھا۔"

جنرل تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا "تو اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"اپنے گھر جانا چاہتا ہوں حضور... لیکن اس طرح کیسے جاؤں۔ ویسے جب بھی وہ ہاتھ لگے انھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"اندھیرے میں!" جنرل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"شکلیں نہیں دیکھیں تو کیا ہوا۔ اُن کی آوازیں ہزاروں میں پہچان سکوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں تمھارے لئے کپڑے کا انتظام کئے دیتا ہوں۔"

جنرل نے گاڑی کسی قدر ریورس میں لے کر پھر شہباز کے بسیرے کی طرف موڑ دی۔

وہ تین منٹ بعد ہیڈ لیمپ کی روشنی دونوں کی کچلی ہوئی لاشوں پر پڑی تھی اور اجنبی چیخ پڑا تھا "یہاں پڑے ہیں خنزیر کے بچے۔"

لیکن جنرل انھیں دوبارہ روندتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

"آپ نے... وہ... دیکھا نہیں حضور۔" اجنبی ہکلایا۔

"بکواس مت کرو!" جنرل غرّایا اور اجنبی نے چپ سادھ لی۔ ویسے اس کے سارے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی تھی۔

جیپ کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز تھی اور وہ جلد ہی خان شہباز کی رہائشی عمارت کے حدود میں داخل ہوگئے تھے۔

جنرل نے اجنبی کو شہباز کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اسے بھی اپنی تحویل میں رکھو۔ کمپاؤنڈ میں رہتا ہے۔ اے! کیا نام ہے تمھارا؟"

"ولی داد۔ حضور!"

پھر جنرل نے شہباز کو مختصراً اس کی کہانی سنائی تھی اور بالآخر بولا تھا "میں مطمئن نہیں ہوں۔ بہر حال مجھے جلد ہی کچھ کرنا ہے اس لئے اس معاملے کو صبح پر اٹھا رکھو"

جنرل چلا گیا تھا اور شہباز نے ولی داد کیلئے لباس منگوایا تھا اور بازو کے خراش کی مرہم پٹی کرائی تھی۔

اس کے بعد وہ اسے ایک الگ تھلگ کمرے میں لایا تھا۔ چند لمحے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا تھا "کیا یہ خودکشی نہیں ہے"

"ج... جی حضور!"

"میں کون ہوں؟"

"آپ خان شہباز ہیں حضور!"

"لیکن میں تمھیں نہیں جانتا"

"مجھ غریب کو آپ کیا جانیں گے"

"کمان کے بچے بچے کو جانتا ہوں"

"میں صرف تین ماہ سے کمان میں ہوں۔ وہاں جو ٹیوب ویل لگائے جا رہے ہیں، اسی کے عملے سے میرا تعلق ہے"

"بیوقوفی کی بات مت کرو۔ جنرل صبح تک تمھارے بارے میں سب کچھ معلوم کرے گا۔ اور صبح سے پہلے ہی تمھارے دوسرے ساتھی کے بھی چیتھڑے اُڑ جائیں گے"

"میں نہیں سمجھا حضور کیا کہہ رہے ہیں"

"اُس کی تحویل میں پورے چار سو تربیت یافتہ بلڈ ہاؤنڈز ہیں، جو یہاں کے کھوکھلے پہاڑوں کو چھان کر رکھدیں گے۔ ابھی وقت ہے۔ اپنے دوسرے ساتھی کو بھی یہیں لے آؤ"

"بالکل سمجھ میں نہیں آرہی یہ بات۔"

"بس، تو پھر اپنے عبرتناک انجام کے لئے تیار رہو۔ وہ چالاکی اب کام نہ آسکے گی جس کے سہارے بلندا تک پہونچے ہو۔"

ولی داد اُسے ایسی ہی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے ابھی تک ایک بات بھی پلے نہ پڑی ہو۔

شہباز پھر بولا۔" حکمراں ٹولے اور اس کے کچھ کاسہ لیسوں کے علاوہ یہاں اور کوئی بھی نہیں چاہتا کہ تمہارے ملک سے تعلقات خراب ہو جائیں۔"

"مم... میرا ملک!" ولیداد نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"وقت نہ برباد کرو۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ خان شہباز یا اس کے اجداد نے آج تک کسی کو دھوکے سے نہیں مارا۔ میں نے اپنا بہت سا وقت تمہارے ملک میں گذارا ہے اس طرح کہ اُسے اپنا ہی ملک سمجھتا ہوں۔ بڑے اچھے اور محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ میں تمہیں چور دروازے سے نکال دوں گا اپنے ساتھی کو بھی یہیں لاؤ۔"

دفعتاً ولی داد مسکرایا تھا اور سر ہلا کر بولا تھا۔" یہاں کے سربرآوردہ خاندانوں کی ہسٹری مجھے زبانی یاد ہے۔ بلاشبہ آپ نے یا آپ کے اجداد نے کبھی کسی کو دھوکے سے نہیں مارا۔ میں آپ کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا۔"

●

کتوں کے شورانہ روزنی جوتوں کی دھمک سے پہاڑیاں گونج رہی تھیں جنرل کے آدمی چاروں طرف پھیل گئے تھے اور وہ خود شہباز کی رہائش گاہ میں بیٹھا وونڈکا پی رہا تھا۔ کمرے میں تنہا تھا اور کمرے کے دروازے پر اسی کا ایک مسلح

آدمی بھی موجود تھا۔

تھوڑی دیر بعد شہباز کمرے میں داخل ہوا۔

"تم سچ مچ درندے ہو۔" اس نے کہا۔

"کیوں؟ اب کیا ہوا۔" جنرل نے قہقہہ لگایا۔

"تم نے اُن دونوں کو گاڑی سے کچل کر مار ڈالا۔ میرے آدمیوں کو اُن کی لاشیں ملی ہیں۔"

"حماقت کی سزا۔"

"کس قانون کے تحت؟"

"میرے محکمے میں میرا قانون چلتا ہے۔ اگر نہ چلتا ہوتا تو یہ حکومت برقرار نہ رہ سکتی۔"

"تو اُن لوگوں نے تمھیں اسی لئے چھوٹ دے رکھی ہے کہ اُن کی حکومت چلتی رہے۔"

"تھوڑی سی تم بھی پیو۔ دماغ روشن ہو جائے گا۔" جنرل نے بوتل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لعنت ہے۔"

"اسی لئے زندگی بھر ایک دیہاتی زمیندار رہ گئے۔"

"ہرگز نہیں!" شہباز طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "جب تم موجودہ حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار سنبھالو گے تو میں تمھارے محکمے کا سربراہ بن جاؤں گا۔"

"تم میں اس کی صلاحیت نہیں ہے ۔۔۔ ہائیں! تم نے ابھی کیا کہا تھا میں اقتدار سنبھالوں گا۔" وہ شہباز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا بولا۔

"جہاں کے محکمے خود اپنے قوانین وضع کرتے ہوں وہاں یہی ہوتا ہے۔"

"تمھارے متعلق مجھے پھر سے سوچنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہارے ذمے جو کام ڈالا ہے تم سے ہوں یا نہ ہوں"۔
شہباز کچھ نہ بولا۔ جنرل اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔
"ولی داد سے کیا معلوم ہوا" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
"کہ ماد کا مستقل باشندہ نہیں بلکہ اُن لوگوں میں سے ہے جو وہاں ٹیوب ویل لگا رہے ہیں"۔
"وہ کہاں ہے۔ اُسے بُلواؤ۔ آہا۔ نہیں، پہلے اس لڑکی کو بلواؤ"۔
"کیوں؟"
"پوچھ گچھ کروں گا"۔
"اس حالت میں؟" شہباز نے شراب کی بوتل کی طرف اشارہ کیا۔
"ہاں ۔۔ ہاں"۔
"یہ ناممکن ہے"۔
"کیا کہہ رہے ہو؟" جنرل پیر پٹخ کر دہاڑا۔
"اس حالت میں نہیں۔" شہباز نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔
"یہ تم اچھا نہیں کر رہے۔ وہ حکومت کی مجرمہ ہے"۔
"میں تمھیں اپنی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں"۔
"تمھاری باتوں سے غدّاری کی بُو آتی ہے"۔
"سمجھنے کی کوشش کرو"۔
"کیا سمجھنے کی کوشش کروں۔ خان دوراں کے احسانمند تم ہو....... میں نہیں ہوں۔ وہ میری قیدی ہے تمھاری نہیں"۔
"پھر بھی میری چھت کے نیچے......"۔
"تمھاری چھت ۔۔ !" جنرل نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولا "کس وہم

میں پڑے ہو۔ یہ تمھاری چھت اُسی وقت تک ہے جب تک ہم چاہیں گے۔"

"چلو! میں اسے بھی تسلیم کئے لیتا ہوں۔ لیکن پھر بھی ۔"

"کچھ نہیں۔ اِسے فوراً لاؤ۔"

"پہلے تو تم اس مسئلے پر مجھ سے متفق ہو گئے تھے۔" شہباز نے شراب کی بوتل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بحث مت کرو۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔"

"کیا تم واقعی مجھے اپنا دشمن بنانا چاہتے ہو۔"

جنرل کا قہقہہ اس بار حقارت آمیز تھا۔ پھر وہ سنجیدگی اختیار کر کے بولا "یہ وردی دیکھ رہے ہو میرے جسم پر۔"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"اس وردی میں میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں رہ جاتا۔" جنرل نے کہا اور اپنے اُس ماتحت کی طرف دیکھ کر کچھ اشارہ کیا جو اسٹین گن سنبھالے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے اسٹین گن کا رُخ شہباز کی طرف کر دیا۔

"بہت بہت شکریہ! میرے بچپن کے دوست!" شہباز بولا۔

"صرف وہی میرے دوست ہیں جو مجھ سے متفق ہیں۔ اختلاف رائے پیدا ہونے کے ساتھ ہی دوستی ختم ہو جاتی ہے۔" وہ اٹھتا ہوا بولا تھا۔ پھر اپنے ماتحت سے کہا تھا "یہ اس کمرے سے باہر نہ جانے پائے۔"

"تم پچھتاؤ گے۔ پتھر توڑنے والے کے بیٹے۔" خان شہباز نے سرد لہجے میں کہا۔

"اگر اپنی جگہ سے جنبش بھی کرے تو گولی مار دینا۔" جنرل غراتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ اب وہ خان زادی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ پھر کسی خیال کے تحت

رک گیا اور شہباز کے ملازمین کو ایک جگہ اکٹھا کرنے لگا۔ اس وقت جلتے بھی ہاتھ لگے اُنھیں ایک کمرے میں بند کرتے ہوئے کہا "اگر کسی نے حلق سے ہلکی سی آواز بھی نکالی تو گولی ماردی جائے گی۔"

وہ سب متحیر تھے۔ اُنھیں اس کا علم تو تھا ہی کہ باہر کیا ہو رہا ہے لیکن شاید اس کا تصور بھی نہ کر سکتے کہ خود اُن کے ساتھ بھی کسی قسم کی زیادتی روا رکھی جائے گی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُس کمرے میں جا پہونچا جہاں خان زادی کا قیام تھا۔ جنرل کو دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"تم سن رہی ہو کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔" جنرل نے مسکرا کر پوچھا۔

اُس نے اثبات میں سر کو جنبش دی تھی اور مستفسرانہ نظروں سے اُسے دیکھتی رہی تھی۔

"وہ دونوں میرے آدمیوں کو دھوکا دے کر یہاں پہونچ گئے ہیں۔"

"مجھے اُن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"لیکن انھوں نے میری دلچسپی کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔"

"مجھے اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔" خان زادی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تمھارا خاندان دشواریوں میں پڑ گیا ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"لیکن میں چاہوں تو تمھارے گھرانے کا اعزاز بدستور برقرار رہ سکتا ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔

جنرل نے کہا "باہر جس قسم کا ہیجان برپا ہے میرے لئے بیحد سرور انگیز ہے۔ ایسے ماحول میں شدت سے ایک عورت کی ضرورت بھی محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔" خان زادی دہاڑی تھی۔

"تم میرے لئے اس ماحول کو اور زیادہ خوبصورت بنا سکتی ہو۔"

"میں تمھیں زندہ دفن کر دوں گی۔"

وہ اس پر کسی بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹی۔ لیکن جنرل کے مضبوط بازوؤں میں بُری طرح جکڑی گئی تھی۔

"اب بتاؤ!"

خان زادی نے اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

"یہ سب کچھ میرے لئے بیحد حسین ہے۔" جنرل ہنس پڑا۔ "مجھے شیرنی ہی چاہئے۔ کبوتریاں حرام ہیں مجھ پر ــــ"

گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ اور خان زادی کا دم گھٹنے لگا تھا۔ بالآخر وہ بے ہوش ہو کر ایک طرف جھول گئی۔ جنرل نے اُسے ہاتھوں پر اٹھا یا اور اُس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں شہباز کو چھوڑ آیا تھا۔

شہباز اسے دیکھ کر بیساختہ اٹھ گیا۔ لیکن پھر اس نے باہر کھڑے ہوئے سپاہی کی طرف دیکھا اور بیٹھ گیا۔

جنرل نے بیہوش لڑکی کو آرام کرسی پر ڈالتے ہوئے شہباز سے کہا۔

"اسے ہوش میں لاؤ۔"

"اسے کیا ہوا ہے ــــ تم نے کیا کیا۔"

"کچھ بھی نہیں ــــ شاید بن رہی ہے ــــ ہوش ہی میں ہے۔"

"خدا تمھیں غارت کرے۔ تمھارا باپ اس کے دادا کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔"

"شاید تمھارے باپ کی تھی۔" جنرل نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لیکن ــــ تم بچپن ہی سے بڑے غریب پرور تھے اس لئے مجھے اپنی دوستی کا شرف بخشا تھا۔"

شہباز اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر آرام کرسی کے پاس دو زانو ہو بیٹھا اور بیہوش لڑکی کو آوازیں دینے لگا۔ اس کی پشت جنرل کی طرف تھی اور جنرل کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

لڑکی ہوش میں آتے ہی سسکیاں لیتی ہوئی بولی "مجھے بچاؤ۔ اس درندے سے بچالو خان"

شہباز اٹھا اور جنرل کی طرف مڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر ناقابل شکست عزم کی جھلکیاں تھیں۔

"اس سے کہو کہ میرے لئے شراب انڈیلے" جنرل بولا۔

"اس سے پہلے میں تمہارا لہو زمین پر انڈیل دوں گا"

"جسمانی قوت میں مجھ سے زیادہ نہیں ہو شہباز"

دفعتاً دروازے پر کھڑا ہوا پہریدار اپنی اسٹین گن سمیت منہ کے بل کمرے میں آگرا۔ ساتھ ہی کسی نے اس پر چھلانگ لگائی تھی اور اس کی اسٹین گن سمیٹتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے تک چلا گیا تھا۔ پھر مڑا تو انھوں نے اس کی شکل دیکھی۔ خود شہباز بھی چکرا کر رہ گیا۔ اس کے لئے قطعی طور پر انجانی شکل تھی — بھدی سی موٹی ناک کے نیچے اتنی گھنی مونچھوں کا سائبان تھا کہ دہانہ چھپ کر رہ گیا تھا۔

"تمہاری آوازیں اونچی نہ ہونی چاہئیں!" اجنبی غرایا۔

اسٹین گن کا رخ جنرل کی طرف تھا۔ اس کا سپاہی جس پوزیشن میں گرا تھا اب تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پتا نہیں زندہ بھی تھا یا مرچکا تھا۔ جنرل کبھی اس کی طرف دیکھتا اور کبھی اجنبی کی طرف۔

"تت... تم کون ہو؟" جنرل بالآخر بولا۔

"توقیر قادری کو میرے حوالے کر دو۔"

"اوہ — تو تم اُن دونوں میں سے ہو۔"

"درست ہے۔"

"زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

"تمہارے درجنوں کتّوں اور سیکڑوں آدمیوں کو ڈوج دیکر یہاں تک پہونچا ہوں۔"

"دوسرا کہاں ہے؟"

"معاملے کی بات کرو۔" اجنبی پیر پٹخ کر غرّایا۔

"ابھی تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیا جائے گا۔" جنرل نے کہا۔

"ضرور کر دیا جاتا لیکن تم سے کچھ دیر پہلے ایک حماقت سرزد ہو چکی ہے پوری عمارت میں صرف اس سپاہی کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے۔"

جنرل ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"خان شہباز تم دروازہ بولٹ کر دو۔" اجنبی بولا۔

"نہیں — !" جنرل اُٹھنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"بیٹھے رہو — ورنہ چھلنی کر دوں گا۔"

جنرل نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیئے۔ شہباز نے آگے بڑھ کر دروازہ بولٹ کر دیا۔

"یہ تمہارے ملازموں کو ایک کمرے میں بند چکا ہے۔" اجنبی نے شہباز سے کہا۔

"تم اپنی زبان بند رکھنا شہباز!" جنرل نے شہباز سے کہا۔

"میں تمھیں قتل کر دینے کا تہیّہ کر چکا ہوں لہٰذا اب زبان بند رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"نن... نہیں"
"ہاں ۔ میرے دوست! تم نے میری عزّت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔
خان دوراں کی عزّت میری عزّت ہے"
"تو تم غدّاری کرو گے"
"نہیں ۔ اپنی زندگی کا سب سے زیادہ نیک کام کروں گا۔ تم انسانیت
کی پشت پر سرطان کے پھوڑے ہو"
"اب اس کا ریوالور ہولسٹر سے نکال لو" اجنبی نے شہباز سے کہا۔
"مجھے مشورہ مت دو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ کام ختم ہونے کے بعد
تمھیں میرے مشورے پر عمل کرنا پڑے گا" خان شہباز بولا۔
"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" جنرل بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔
خان شہباز فرش پر پڑے ہوئے سپاہی کے قریب آیا۔ اُسے جھک کر
دیکھا تھا اور پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا تھا "یہ تو مر گیا"
"صرف بیہوش کرنا چاہتا تھا لیکن اب مر ہی گیا تو کیا کروں" اجنبی نے کہا۔
"اوہ ۔!" جنرل دانت پیس کر بولا "تو یہ دونوں پہلے ہی تمھارے پاس
پہونچ چکے تھے ۔ غدّار"
"نہیں جنرل!" اجنبی نے اپنی ناک پر بایاں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ داہنے
ہاتھ سے اسٹین گن سنبھالے رہا۔ پھر بایاں ہاتھ ہٹا تو بھدّی ناک اور گھنی مونچھیں
چہرے سے الگ ہو چکی تھیں۔
"ولی داد ۔!" جنرل اچھل پڑا۔
"ہاں جنرل۔ میں نے کہا کیوں خواہ مخواہ خان شہباز کے سر الزام رکھ رہے
تھے ۔ مجھے تو تم ہی یہاں لائے تھے"

"پھر شہباز نے تم سے ساز باز کرلی۔"

"تم اس بات کو بڑھانے کے لئے زندہ نہیں رہو گے۔" شہباز نے سرد لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

"تم اپنے خاندان سمیت نیست و نابود کر دیئے جاؤ گے۔"

"اگر تم اپنا بیان دینے کے قابل رہے تو۔ اُٹھو! اور دیکھو کہیں ــــ جسمانی قوت میں تم سے زیادہ ہوں یا نہیں ــ یقین کرو ــــ میں بیحد نرم دل آدمی ہوں۔ بچپن میں اگر کوئی مجھ سے لپٹ پڑتا تھا تو میں یہی سوچتا رہ جاتا تھا کہ کہیں اُس کے چوٹ نہ آجائے اسی احتیاط میں خود پٹ جاتا تھا۔"

"خان صاحب! تب تو آپ فطرتاً شیخ جی معلوم ہوتے ہیں۔" دلیداد نے کہا۔ شہباز کچھ نہ بولا۔ جنرل اس کے للکارنے پر اٹھا نہیں تھا۔ شہباز نے اُسے پھر للکارا۔

"خان ــــ! یہ ڈرامے کا وقت نہیں ہے۔" دلی داد بولا۔ "اگر اس کے آدمی آگئے تو دشواری ہوگی۔"

"اس کے آدمی ــ!" شہباز زہر خند کے ساتھ بولا۔ "اس کے آدمی اُس وقت تک آنے کی جرأت نہیں کریں گے جب تک کہ یہ خود نہ طلب کرے۔ وہ کتوں کو ساتھ لئے پہاڑوں میں چکراتے رہیں گے۔ وہ سب اس سے شدید نفرت کرتے ہیں اور یہ ہے بھی نفرت کے قابل۔ اس نے اُن دونوں کو اپنی جیب سے کچل کر مار دیا جنھیں دھوکا دے کر تم دونوں یہاں تک پہونچے تھے۔"

"اور میں تمھیں بھی مار ڈالوں گا۔" جنرل اٹھ کر شہباز پر جھپٹ پڑا اور اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ریوالور چھین لیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اُسے استعمال کرتا اسٹین گن کا دستہ اس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑا ــ دلیداد غافل تو نہیں تھا۔

شہباز نے جنرل کے ہاتھ سے گرنے والے ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔

جنرل بائیں ہاتھ سے کلائی دبائے کھڑا ویداد کو گھورتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شہباز کو بھول ہی گیا ہو۔ یہ بھی یاد نہ رہا ہو کہ ذرا ہی دیر پہلے کیا ہوا تھا اور اب بھی اس کا ریوالور شہباز ہی کے قبضے میں ہے ۔۔۔ پھر وہ اسٹین گن کی پرواہ کئے بغیر ویداد پر ٹوٹ پڑا۔

ویداد نے دیدہ دانستہ اسٹین گن فرش پر ڈال دی اور جنرل سے گتھ گیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے دو بھینسے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے ہوں۔

"ٹھہر جاؤ ۔۔۔" دفعتاً شہباز نے اسٹین گن پر بھی قبضہ کرتے ہوئے کہا۔ "الگ ہو جاؤ دونوں ورنہ فائرنگ شروع کر دوں گا۔"

اتنے میں ویداد نے جنرل کو دور اچھال دیا تھا۔ دیوار سے ٹکرا کر وہ نیچے گرا اور پھر جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔

"اب تم اپنی جگہ سے ہٹے اور میں نے ٹریگر پر دباؤ ڈالا۔" شہباز نے اسٹین گن کا رُخ جنرل کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ وہ دیوار سے لگا کھڑا ہانپتا رہا۔

"سُن لو کہ میں تمھاری غیبت میں نہیں کہہ رہا۔" اس نے جنرل کو مخاطب کیا۔ "تم اپنے ایک گھناؤنے کھیل کے لئے میری عمارت کو استعمال کرتے رہے ہو۔ یہ دونوں جس مفرور کی تلاش میں آئے ہیں وہ حقیقتاً مفرور نہیں ہے۔"

"خاموش رہو!" جنرل ہانپتا ہوا دہاڑا۔

"تمھارے آدمی اُسے دھوکہ دے کر یہاں لائے تھے اور تم نے اُسے قیدی بنا لیا اور اب تم اُس کی کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھ کر اپنی لکھی ہوئی تقریریں پڑھواتے ہو اور انھیں ریکارڈ کر کے کسی نامعلوم ریڈیو اسٹیشن کے حوالے سے نشر کرا دیتے ہو ۔۔۔ بس اتنا ہی کہنا تھا مجھے ۔۔۔ اب تم جاؤ ۔۔۔ ا"

اسٹین گن سے متعدد گولیاں نکل کر جنرل کے سینے میں پیوست ہو گئی تھیں۔
"اوہ... یہ تم نے کیا کیا۔؟" ولیداد اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
"اپنے کام سے کام رکھو۔ یہ ہمارے ذاتی معاملات ہیں۔ تمہیں تمہارا آدمی مل جائے گا۔"
"کیا تمہیں اس کے لئے جواب دہ نہ ہونا پڑے گا۔"
"دیکھا جائے گا۔"
"میری بات سنو۔" ولی داد آہستہ سے بولا۔ "میں ایسی تدبیر کر سکتا ہوں کہ تم بری الذمہ ہو جاؤ۔"
"میں بری الذمہ نہیں ہونا چاہتا۔"
"اب میں بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" خانزادی پہلی بار بولی۔
"کہو۔!" شہباز پرسکون لہجے میں بولا۔
"یہ اُن دونوں میں سے نہیں ہے۔"
"آپ بھول رہی ہیں خان زادی۔" ولیداد نے مسکرا کر کہا۔ "اگر اس چہرے پر باریک مونچھوں اور فرنچ کٹ ڈاڑھی کا اضافہ ہو جائے تو۔؟"
"خدا کی پناہ ــــ یہ تم ہو جھکی فلاسفر۔"
"علی عمران نام ہے!" عمران نے کہا۔
"علی عمران ۔!" شہباز چونک کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم علی عمران ہو۔"
عمران کچھ نہ بولا۔ وہ جنرل کی لاش کو دیکھے جا رہا تھا۔
"یہ نام میں نے اس کی زبان سے بہت زیادہ سنا ہے۔" شہباز نے مردہ جنرل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تمہاری طرف سے اس کو بہت تشویش تھی۔"
"ختم کرو۔" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "نیچے وہ لوگ کتوں سمیت ہماری تلاش

میں ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہوگا کہ جنرل اور اس کے ماتحت کی لاشوں کو نشیب میں لڑھکا دیں۔ میں نے پوری طرح اطمینان کر لیا ہے۔ جنرل کے اس ایک ماتحت کے علاوہ تمہاری عمارت میں اس وقت اُس کا اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ تمہارے سارے ملازموں کو وہ پہلے ہی ایک کمرے میں بند کر چکا تھا۔ لہٰذا خان زادی کے علاوہ اور کوئی شاہد نہیں... اور... خان زادی...."

"میری زبان ہمیشہ بند رہے گی"

"انھوں نے کتوں کو کسی خاص بو پر نہیں لگایا ہے اس لئے وہ نیچے ہی بھٹکتے رہیں گے اور کسی وقت جنرل کی لاش تک آپہنچیں گے۔ یہاں میں تمھیں کرسی سے باندھ جاؤں گا۔ تم اُنھیں دو آدمیوں کی کہانی سناؤ گے۔ جو قیدی کو نکال لے گئے۔ تمہارے ملازمین وہی بیان دیں گے جو اُن پر گذری تھی۔ جنرل یہ بتانے کے لئے زندہ نہیں ہوگا کہ اُس نے انھیں اکٹھا کر کے کمرے میں کیوں بند کیا تھا —"

"مشورہ تو معقول ہے لیکن تم سرحد پار نہ کر سکو گے" شہباز بولا۔

"اپنا معاملہ ہم خود دیکھیں گے۔ تم اس کی فکر مت کرو"

"اچھا۔ تو پھر پہلے میں تمہارا قیدی تمہارے حوالے کر دوں" شہباز دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اُس کے چلے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی تھی —— پھر خان زادی بولی تھی "پروفیسر کہاں ہیں؟"

"آرام فرما رہے ہیں۔ زخم زیادہ تکلیف دہ ہو گیا ہے"

"تو یہ سب کچھ تم نے تنہا کیا ہے"

"آپ اگر یہ ... تو خان زادی آپ ... بھٹک پڑا"

"میں تم دونوں کو بُرا نہیں سمجھتی۔"

"شکریہ خان زادی! محض نظریات کی دیواریں ہمارے درمیان حائل ہیں، ورنہ ہم سب ایک ہیں۔"

"نظریات نہیں بلکہ علاقائیت کہو۔ نظریہ تو ایک ہی ہے۔"

"علاقائیت ہی تو علیحدگی کے نظریات گھڑتی ہے۔ بنیادی نظریہ علاقائیت کی نفی کرتا ہے۔ لیکن بنیادی نظریہ ہمارے لئے صرف شاعری بن کر رہ گیا ہے، جس پر ہم سر تو دھن سکتے ہیں، عمل میں نہیں لا سکتے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو جھکی فلاسفر۔ تم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

●

سب کچھ عمران کی اسکیم کے مطابق ہوا تھا لیکن شہباز نے اُسے اپنے قیدی سمیت فوری طور پر رخصت نہیں ہو جانے دیا تھا۔ وہ تینوں ایک عمارت کے تہہ خانے میں پہونچا دیئے گئے تھے۔ جس کا علم شہباز کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔

جنرل کے قیدی کی حالت ابتر تھی۔ اُسے علم ہو گیا تھا کہ یہ دونوں کس مقصد کے تحت وہاں تک پہونچے تھے۔ عمران نے اُس سے ابھی تک کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔

آخر اُس نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

"تو تم لوگ مجھے واپس لے جانا چاہتے ہو ذلیل کرنے کے لئے۔"

"آپ پر جبر کیا جا رہا ہے۔ لہذا آپ کے ذلیل ہونے کا سوال ہی نہیں

پیدا ہوتا۔" عمران بولا۔

"مجھے غدار قرار دیا جا چکا ہوگا۔ تم عوام کے ذہنوں سے یہ تاثر نہ مٹا سکو گے۔ میں صرف بعض معاملات میں حکومت سے اختلاف رکھتا تھا' اپنے اُس حق کے تحت جو مجھے ملکی دستور کے توسط سے ملا ہے۔ وطن سے غداری کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ وہ جنرل ہی کے ایجنٹ تھے جو مجھ سے وہاں مل بیٹھے تھے۔ میں لاعلم تھا۔ ہم سب اندرون ملک ہی ایک تفریحی سفر پہ روانہ ہوئے تھے۔ ایک رات اپنے ہی ملک کے حدود میں سویا تھا اور پھر جاگا تھا جنرل کی قید میں ـــــ مجھے علم نہیں کہ میں نے کس طرح سرحد پار کی تھی۔"

عمران نے اس طرح سر کو جنبش دی تھی جیسے اسے اُس کے بیان پر یقین آگیا ہو۔

پھر عمران نے اُس سیاسی لیڈر کا ذکر چھیڑ دیا جس کے آدمیوں نے ایجنٹ ہفتم الف کو اغوا کر لینا چاہا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ اندر سے کیا ہے۔" قیدی نے کہا۔ "بظاہر وہ بھی صرف حکومت ہی سے اختلاف رکھتا ہے۔"

"کیا ان لوگوں کو آپ سے اُسی نے متعارف کرایا تھا' جن کے ساتھ آپ تفریحی سفر پہ روانہ ہوئے تھے۔؟"

"ہاں ـــ!" قیدی چونک کر بولا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا تھا۔ "وہ دراصل اسی کے دوست تھے۔ اب پوری بات میری سمجھ میں آگئی ـــ"

بات ابھی یہیں تک پہونچی تھی کہ شہباز خان زادی سمیت تہہ خانے میں داخل ہوا۔ صورت سے پریشان معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ بات جنرل سے آگے بڑھ گئی تھی کہ خان زادی بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر

ان معاملات میں ملوث ہے۔" اُس نے تیز تیز سانسوں کے درمیان کہا۔

"تو پھر ۔۔۔ ؟" عمران اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ہمیں فوراً نکل چلنا چاہیئے۔ میں نے لڑکی کے تحفظ کا عہد کیا ہے۔ خواہ اس کے لئے مجھے اپنا سب کچھ چھوڑ دینا پڑے۔ کیا تم حالات بہتر ہونے تک مجھے اپنے ملک میں پناہ دلوا سکو گے۔ ؟"

"سر آنکھوں پر خان ۔۔۔ یہ میرا عہد ہوگا، خواہ اس کے لئے مجھے اپنی روح کو جسم ہی سے کیوں نہ نکال دینا پڑے۔" عمران نے کہا۔

"تم شاید ٹھیک اب بھی کر سکتے ہو۔"

"ہاں۔ ہاں۔ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ۔۔۔ کم سے کم وقت میں۔"

"فوجی وردیاں ہیں میرے پاس ۔۔۔ ہم بآسانی نکل چلیں گے۔ لیکن۔" شہباز خان زادی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"اگر انھیں مرد نہ بنا سکا تو ہاتھ کی صفائی کس کام۔ تم یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو شہباز۔"

شہباز چلا گیا۔ جنرل کا قیدی عمران سے کہہ رہا تھا۔

"میں واپس جانے سے یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ یہاں مر جاؤں۔"

"کیوں ۔۔۔ ؟"

"میرے اپنے ہموطن مجھے غدّار سمجھنے لگے ہوں گے۔"

"لیکن آپ غدّار نہیں ہیں۔"

"میں غدّار ہوں ۔۔۔ مجھے مر جانا چاہیئے تھا لیکن اُس کام مرتکب نہ ہونا چاہیئے تھا جو انھوں نے چاہا۔"

"یہ آپ کا اپنا استدلال ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"لیکن ایک ایسے شخص کو گولی تو مار سکتے ہو جس نے اعتراف جرم کر لیا ہو ــــ"

"سزا دینے کا حق صرف عدالت کو ہے۔ میں عموماً ایسے مجرموں کو ٹھکانے لگا دینے کا قائل ہوں جو قانون کی پہنچ سے باہر ہوں۔"

جنرل کے قیدی نے خاموشی اختیار کر لی۔

کچھ دیر بعد سفر کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پانچوں کے حلیے بدل گئے تھے۔

گیراج سے ایک جیپ نکالی گئی جس پر فوج کے نشانات بنے ہوئے تھے۔

"لیکن ہم جائیں گے کس طرف؟" پروفیسر دارا نے سوال کیا۔

"مجھے ایک ایسا پوائنٹ معلوم ہے جہاں سے ہم بآسانی سرحد پار کر سکیں گے۔" شہباز نے کہا۔ "اور یہ پوائنٹ شکرال سے ملنے والی سرحد کے قریب ہے۔"

"اُدھر شکرالیوں کا خدشہ لاحق رہے گا۔" پروفیسر نے کہا۔

سڑک پر انھیں کئی فوجی گاڑیاں ملیں۔ عمران کے اندازے کے مطابق ان کی تلاش شدّومد سے جاری تھی۔ اگر وہ خود فوجیوں کے بھیس میں نہ ہوتے تو پکڑا جانا یقینی تھا کیونکہ فوجیوں نے جگہ جگہ راہگیروں کو روک رکھا تھا اور اُن سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

شہباز خود جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔

"خان شہباز ــــ! کیا یہ ضروری ہے کہ اس پوائنٹ سے صرف آپ ہی واقف ہوں۔" عمران نے پوچھا۔

"میں بھی یقین رکھتا ہوں کہ بہت کم لوگوں کو اُس کا علم ہو گا۔

مجھے ایک اسمگلر کے توسط سے وہ راستہ معلوم ہوا تھا۔ میں ایک بار اُدھر سے گذر بھی چکا ہوں۔"

"ان لوگوں کے ہاتھ لگنے سے بہتر تو یہ ہو گا کہ ہم کسی کھڈ میں گر کر مر جائیں۔" خان زادی بولی جس کے چہرے پر سیاہ داڑھی خاصی بہار لگ رہی تھی۔

تین گھنٹے تک وہ پختہ سڑک پر چلتے رہے تھے۔ پھر ناہموار راستوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

"اُوہو۔۔۔ !" شہباز دفعتاً بولا "وہ دیکھو! اوپر چڑھائی پر ایک گاڑی جا رہی ہے۔"

"ہاں۔ ہے تو!" عمران نے کہا جو اسی کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

"تمہارا اندیشہ درست نکلا۔ کسی کو اس پوائنٹ کا دھیان آگیا ہے۔"

"تو پھر کیا ہوا۔ فی الحال گاڑی کسی اور طرف موڑ لو۔"

"یہی کرنا پڑے گا۔"

وہ سب اُس جیپ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جس کی نشاندہی شہباز نے کی تھی۔۔۔ گاڑی موڑ دی گئی۔

خان زادی پچھلی سیٹ پر قیدی اور پروفیسر کے درمیان بیٹھی مڑ مڑ کر پیچھے دیکھے جا رہی تھی۔ اچانک اس نے اطلاع دی کہ دوسری گاڑی بھی مڑ کر ادھر ہی آ رہی ہے۔

"آنے دو۔۔۔ دیکھا جائے گا۔" شہباز نے کہا۔

عمران نے بھی مڑ کر دیکھا تھا۔ اس نے شہباز کو مشورہ دیا کہ کسی ایسی جگہ گاڑی روک دے جہاں سے کچھ دیر کے لئے پچھلی گاڑی

نظروں سے اُوجھل ہو جائے۔

"اور پھر تم یہ پرواہ کئے بغیر کہ میں کیا کر رہا ہوں جیب کا بونٹ اٹھانا اور اس طرح انجن کی دیکھ بھال شروع کر دینا جیسے کوئی خرابی واقع ہو گئی ہو۔"

"تم کیا کرو گے؟"

"ذرا دیر کو تم لوگوں کا ساتھ چھوڑ دوں گا۔"

"میں سمجھ گیا۔۔۔ اچھی بات ہے۔"

ایک موڑ پر جیسے ہی پچھلی گاڑی کی اوٹ ہوئی عمران نے رفتار کم کرنے کو کہا اور نیچے کود گیا۔

پھر اُنھوں نے اُسے بڑے بڑے پتھروں کی اُوٹ میں غائب ہوتے دیکھا۔

شہباز نے گاڑی روک دی اور بونٹ اٹھا کر انجن کا جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد دوسری گاڑی قریب آپہنچی تھی۔

"کیا بات ہے؟" اُس پر سے کسی نے گونجیلی آواز میں پوچھا۔

"انجن میں گڑبڑ ہے۔" شہباز بولا۔

اس نے ایک باوردی کیپٹن کو گاڑی سے اُترتے دیکھا تھا اور پھر انجن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"مجھے حیرت ہے سپاہی!" کیپٹن بولا۔ "تم نے مجھے سلیوٹ نہیں کیا۔"

اور تب شہباز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن دیر ہو چکی تھی۔

کیپٹن کا ریوالور ہولسٹر سے نکل آیا تھا۔ بقیہ تین آدمیوں نے یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے بھی اپنی رائفلیں سیدھی کر لیں۔ شہباز سمیت چاروں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔

"انھیں غیر مسلح کر دو۔" کیپٹن نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

پھر ان میں سے ایک سپاہی اپنی رائفل کاندھے سے لٹکا کر آگے بڑھا ہی تھا کہ بائیں جانب سے آواز آئی۔

"تم سب اپنا اسلحہ زمین پر ڈال دو۔"

وہ چونک کر آواز کی طرف متوجہ ہو گئے لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

"جلدی کرو — تم سب ٹامی گن کی زد پر ہو۔" آواز آئی اور ساتھ ہی اُن سے کسی قدر فاصلے پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔

اسلحہ زمین پر ڈال دیا گیا۔ پروفیسر نے جیپ سے چھلانگ لگائی اور جلدی جلدی ان پر قبضہ کرنے لگا۔

پھر عمران پتھروں کی اوٹ سے برآمد ہوا تھا۔

"تم لوگ نکل نہیں سکو گے۔" کیپٹن غرایا۔

عمران اس کی طرف توجہ دیئے بغیر پروفیسر سے بولا "ان کے ہاتھ پیر باندھو اور منہ پر ٹیپ چپکا دو۔"

"اس کی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "صفایا کر دیجئے۔"

"نہیں — میں بے وجہ خون بہانے کا قائل نہیں ہوں — ہاں، اگر انھوں نے چپ چاپ اپنے ہاتھ پیر نہ بندھوا لئے تو شاید یہی کرنا پڑے۔"

دھمکی کارگر ہوئی تھی اور انھوں نے مزاحمت کئے بغیر اپنے ہاتھ پیر بندھوائے تھے۔

پھر انھیں راستے سے ہٹا کر بڑے پتھروں کی اوٹ میں ڈال دیا گیا تھا۔

"اس طرح ایک اور گاڑی ہاتھ لگی ہے۔" عمران نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ جگہ سڑک پر سے نظر نہ آتی ہوگی۔"

"تمھارا خیال درست ہے۔" شہباز پُرتشویش لہجے میں بولا۔

"بس تو پھر اس جیپ کا پٹرول بھی نکالے لیتے ہیں۔ تنکرال کی سرحد میں داخل ہو کر ہمیں ایک لمبا چکر کاٹنا پڑے گا۔"

"مناسب ہے۔" شہباز بولا۔

شہباز اور پروفیسر جیپ سے پٹرول نکالنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ اور خان زادی عمران کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

"تمھارا جواب نہیں ہے فلاسفر۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "تمھاری بیوی ہر وقت تمھاری سلامتی کی دعائیں مانگتی رہتی ہوگی۔"

"ابھی تو وہ خود اپنے پیدا ہونے کی دعائیں مانگ رہی ہوگی۔"

"اوہ ـــ تو کیا ابھی شادی نہیں کی؟"

عمران نے مایوسانہ انداز میں سر کو منفی جنبش دی۔

ٹھیک اُسی وقت قریب ہی سے ایک فائر کی آواز آئی۔ اور وہ اچھل پڑے۔ جنرل کا قیدی زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس کی دائیں کنپٹی سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

ان کی لاعلمی میں کیپٹن کا ریوالور اُس کے ہاتھ لگ گیا تھا اور

اُس نے خودکشی کرلی تھی۔

وہ خاموش کھڑے اُسے دیکھتے رہے۔ ایک بڑا سا عقاب چیختا ہوا اُن کے سروں پر سے گزر گیا۔

●

سفر دوبارہ شروع ہوا تھا۔ وہ جلد سے جلد اُس جگہ تک پہونچ جانا چاہتے تھے جہاں سے شکرال کی حدود میں داخل ہو سکتے۔

سبھی خاموش تھے۔ کسی نے خودکشی کر لینے والے سے متعلق کوئی ذکر نہ چھیڑا۔ عمران چاہتا بھی نہیں تھا کہ بات آگے بڑھے۔ اس کا مشن ہر اعتبار سے پورا ہو چکا تھا۔

"شکرال خطرناک جگہ ہے موسیو عمران" پروفیسر بولا۔

"میں جانتا ہوں"

"پھر بھی آپ — !"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں"

"جس راستے سے ہم داخل ہوں گے وہاں تحفظ کی ذمہ داری میری ہے" شہباز بولا۔

"میں تم پر کسی قسم کی بھی ذمہ داری نہیں ڈال سکتا خان شہباز" عمران نے کہا۔

"میں شکرالی بول سکتا ہوں" شہباز نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

"میں شکرالی اور سرخسانی کے فرق سے بھی واقف ہوں اور

دونوں کے لہجوں پر بھی قادر ہوں۔"

"تب تو بڑی اچھی بات ہے۔" خان بولا۔ "تم ہر طرح حیرت انگیز ہو۔"

"ویسے بھی ہماری واپسی شکرال ہی کے راستے سے ہوتی۔ یہ پہلے سے میرے پروگرام میں تھا لیکن میرے ذہن میں نرچی دوڑے والا راستہ تھا۔"

"وہ راستہ ہمارے لئے محفوظ نہیں ہوگا۔ آج کل اُس کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے۔"

"مجھے شکرال کے نام ہی سے ہول آرہا ہے۔" خان زادی نے کہا۔

"مجھے بھی اپنا شریکِ خیال سمجھو خان زادی!" پروفیسر بولا۔ "شکرالی درندوں کی زبان میں "رحم" جیسا کوئی لفظ نہیں ہے۔"

عمران کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی لیکن وہ کچھ بولا نہیں تھا۔

"تمہارا شاگرد آخر ہے کیا چیز؟" خان زادی نے پروفیسر سے پوچھا۔

"میں خود بھی نہیں جانتا خان زادی! لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ایک حیرت انگیز مشین ہے جو مختلف انداز میں چلتی ہی رہتی ہے۔"

پھر وہ سب خاموش ہو گئے تھے۔

جیپ شکرال کی سرحد کی طرف بڑھتی جارہی تھی۔

تمام شُد

ماہنامہ "جاسوسی دنیا" کا آئندہ

نیا عظیم الشان ناول

رلشیوں کی یلغار

مصنّف

ابن صفی بی۔ اے۔

- شکرال کی پُراسرار وادیوں میں عمران اور اسکے ساتھی عجیب و غریب مصیبتوں سے دوچار ہوتے ہیں۔
- خوفناک ریشے پوری پوری بستیوں پر تباہی لا رہے تھے ——!
- شکرالی درندوں میں ایک عجیب طرح کا ہیجان ——!

ابن صفی کا ایک معرکہ خیز شاہکار جس میں عمران پھر شکرال کی وادیوں میں ایک حیرت انگیز کارنامہ انجام دیتا ہے۔

ماہ اگست ۱۹۵۷ء کے آخر میں منظر عام پر آ رہا ہے۔

اپنی کاپیاں آج ہی قریبی بک اسٹال پر محفوظ کرا لیجئے۔

قیمت :- دو روپے

جاسوسی دنیا نکہت پبلیکیشنز الہ آباد-۳